حیاتِ امام طحاوی

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ

کے تفصیلی حالاتِ زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، ان کے حکیمانہ اصول، نظرِ طحاوی کی توضیح، آپ کی خاص اصطلاحات، طبقاتِ فقہاء اور ان میں امام صاحب کا رتبہ، شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف اور اس کی تمام شروح و متعلقات کا مفصل جائزہ، سلیس اور زندہ اسلوب میں

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری

استاذ دار العلوم دیوبند

دار الہدیٰ

حیات امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ

کے تفصیلی حالاتِ زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، ان کے حکیمانہ اصول، نظر طحاوی کو توضیح، آپ کی خاص اصطلاحات، طبقات فقہاء اور ان میں امام صاحب کا رتبہ، شرح معانی الآثار کا تفصیلی تعارف اور اس کی تمام شروح و متعلقات کا مفصل جائزہ سلیس اور زندہ اسلوب میں

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر



کتابیات

امام طحاوی رحمہ اللہ اور ان کی تصانیف کے احوال کے لئے مندرجہ ذیل مراجع کی طرف رجوع فرماویں۔

ابن الندیم کی الفہرست ص ۲۹۲، قاضی ابن خلکان کی وفیات الاعیان ص ۱۹ ج ۱، ابن کثیر کی البدایہ ص ۱۸۴ ج ۱۱، مبارک کی خطط ص ۳۰ ج ۳، حافظ قرشی کی جواہر مضیئہ ص ۱۰۲ ج ۱، حافظ ابن حجر کی لسان المیزان ص ۲۷۴ ج ۱، سیوطی کی حسن المحاضرہ ص ۱۹۸ ج ۱، زبیدی کی تاج العروس ص ۳۲۳ ج ۱۰، ذہبی کی العبر ص ۸۶ ج ۲، تذکرۃ الحفاظ ص ۲۸ و ۲۹ ج ۳، ابن العماد کی شذرات الذہب ص ۲۲۸ ج ۲، قاسم بن قطلوبغا کی تاج التراجم ص ۶، علامہ لکھنوی کی فوائد بہیہ ص ۳۱ و ۳۴ زرکلی کی الاعلام ص ۱۹۷ ج ۱، علامہ زاہد کوثریؒ کی "الحاوی فی سیرۃ الامام ابی جعفر الطحاوی" مطبوعہ انوار پریس قاہرہ اور حضرت الاستاذ علامہ فخر الحسن صاحب محدث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی "حیات امام طحاوی" اور مولانا تقی الدین ندوی کی "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" اور شیرازی کی طبقات الفقہاء ص ۱۴۰ اور علامہ کاندھلویؒ کی امانی الاحبار کا مقدمہ، اور سیوطی کی طبقات الحفاظ اور معجم المطبوعات ۱۲۳۲، ہدیۃ العارفین ص ۵۸ ج ۱، اللباب ص ۸۲ ج ۲، المکتبۃ الازہریہ ص ۵۶۴ ج ۱، فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ ص ۹۷ و ۹۷ دائرۃ المعارف فرید وجدی ص ۷۲ ج ۲، مقدمہ انوار الباری ص ۶۴ و ۷۵، ج ۲، الفتح السماوی فی تحقیق مولد الطحاوی (قلمی) کشف الظنون (در تذکرہ معانی الآثار)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ وعلماء أمتہ أجمعین، أمابعد:

۱۳۹۵ھ میں راقم کی کتاب ”حیاتِ امام ابو داؤد سجستانی“ شائع ہوئی تھی۔ اس کے دیباچہ میں احقر نے وعدہ کیا تھا کہ حدیث شریف کی متداول کتابوں کے مصنفینؒ کے حالات علحدہ علحدہ رسالوں میں پیش کروں گا، تاکہ طلباء اپنی سہولت سے ان حضرات کے احوال کا مطالعہ کرسکیں اور ان کی تصنیفات سے کماحقہ واقف ہو سکیں ـــــ یہ رسالہ ”حیات امام طحاوی رحمہ اللہ“ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

آٹھ، نو سال پہلے، جب میں نے دار العلوم اشرفیہ راندیر (ضلع سورت) میں امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار پڑھائی تھی، تو دل میں اس کی خدمت کا ایک خاص داعیہ پیدا ہوا تھا، چنانچہ دو سال کے عرصہ میں اس کے معتد بہ حصہ پر کام کرلیا تھا۔ جس کا نام ”زُبْدَۃُ الطحاوی“ ہے۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ اس میں شرح معانی الآثار کی تلخیص اور مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے اور خاص طور پر نظر طحاوی

کو حل کیا گیا ہے، جگہ جگہ مفید حواشی بھی بڑھائے گئے ہیں مگر چونکہ وہ کام ابھی حرفِ آخر نہیں ہے اس لئے زیور طبع سے محروم ہے۔

زبدۃ الطحاوی کے شروع میں، امام طحاوی علیہ الرحمہ کے حالات تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں مگر چونکہ اس کی اشاعت کا ابھی کوئی پروگرام نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو اُردو کا جامہ پہنا کر طلباء کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، امید ہے کہ طلباء عزیز اس کو پسند فرمائیں گے۔

اس رسالہ میں امام طحاوی علیہ الرحمہ کی مایۂ ناز کتاب "شرح معانی الآثار" پر مفصل کلام کیا گیا ہے جس کا گہرا مطالعہ، ان شاء اللہ طلباء عزیز کے لئے بے حد مفید ہوگا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو طلباء کے لئے نافع اور راقم آثم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں (آمین یارب العالمین)

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ



امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ

(۲۳۹-۳۲۱ھ=۸۵۳-۹۳۳ء)

نام ونسب نام نامی احمد، کنیت ابوجعفر، والد ماجد کا نام محمد، سلسلۂ نسب: ابن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن حباب اور نسبت اَزْدی، حجری، مصری اور طحاوی ہے

اَزْد یمن کا مشہور قبیلہ ہے، حجر اس کی ایک شاخ ہے۔ اس کی دوسری شاخ ''شنوءہ'' سے امتیاز کرنے کے لئے ''ازد حجر'' کہتے ہیں۔ امام صاحب ازد کی اسی شاخ کی طرف منسوب ہیں۔ جب مصر قلمرو اسلامی میں داخل ہوا تو آپ کے اجداد نے مصر میں سکونت اختیار کرلی۔ طحا کے بارے میں اگرچہ اختلاف ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ امام صاحب جس طحا کی طرف منسوب ہیں وہ ''طحا اَشْمُونین'' ہے آپ کی ایک نسبت ''جیزی'' بھی ہے کیونکہ آپ کا قیام جیزہ میں بھی رہا ہے

ولادت آپ کی ولادت شبِ یکشنبہ گیارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے سنہ میں اختلاف ہے۔

پہلا قول: ۲۲۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ——— مفتاح السعادہ

دوسرا قول: ۲۳۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ——— دائرۃ المعارف وجدی، تذکرۃ الحفاظ

تیسرا قول: ۲۳۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ——— تاریخ ابن خلکان

چوتھا قول: ۲۲۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ــــــ علامہ عینی

پانچواں قول: ۲۳۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی ــــــ یہ قول مؤرخ ابن عساکر نے ابن یونس سے نقل کیا ہے۔ مصری شخصیات کے بارے میں ابن یونس[1] کا قول اتھارٹی (مسند) شمار کیا جاتا ہے۔ ابن نقطہ نے بھی یہی سنہ لکھا ہے۔ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیئہ میں، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں (طحا کے ذیل میں) ابن یونس کا یہی قول نقل کیا ہے ابن جوزی نے المنتظم میں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں امام صاحب کی ولادت کا یہی سنہ لکھا ہے۔ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی بُستان المحدثین میں یہی سنہ ولادت بتایا ہے۔ ابن کثیر نے البدایہ میں اور ابن التغری نے النجوم الزاہرۃ میں ابن یونس کے حوالہ سے یہی سنہ لکھا ہے۔ اس قول کے صحیح ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امام صاحب کی وفات بالاتفاق ۳۲۱ھ میں ہوئی ہے اور علامہ ذہبی اور شاہ عبد العزیز صاحب نے امام صاحب کی عمر اَسی اور چند سال لکھی ہے (مات عن بضع وثمانین سنۃ) اب اگر ۲۲۹ھ کا قول صحیح مانا جائے تو

---

(۱) ابن یونس: امام طحاوی کے استاذ یونس بن عبد الاعلی صدفی مصری (۱۷۰۔ ۲۶۴) کے پوتے ہیں۔ آپ کا نام ابو سعید عبد الرحمٰن بن احمد بن یونس صدفی ہے تاریخ میں آپ کی دو کتابیں ہیں ایک "اخبار مصرور جالہا" اور دوسری "ذکر الغرباء الواردین علی مصر" ــــــ یہ دونوں کتابیں مفقود ہیں، کسی جگہ ان کا وجود معلوم نہیں البتہ تاریخ کی کتابوں میں ان کے اقتباسات بکثرت ملتے ہیں۔

آپ کی عمر نوے سے زائد ہو جاتی ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں ہے (۱)

امام صاحب کا عہد امام صاحب کا عہد ایک زریں عہد ہے، فقہ وحدیث کی مایۂ روزگار ہستیاں اس وقت بقید حیات تھیں۔ ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب نے کن کن ائمہ کا زمانہ پایا ہے۔

(۱) امام بخاری علیہ الرحمہ کی وفات (۲۵۶ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر ۱۷ سال تھی۔

(۲) امام مسلمؒ کی وفات (۲۶۱ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر ۲۳ سال تھی

(۳) امام ابو داؤدؒ کی وفات (۲۷۵ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر ۳۶ سال تھی۔

(۴) امام نسائیؒ کی وفات (۳۰۳ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر ۶۴ سال تھی۔

(۵) امام ابن ماجہؒ کی وفات (۲۷۳ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر ۳۴ سال تھی۔

(۶) امام ترمذیؒ کی وفات (۲۷۹ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر ۴۰ سال تھی۔

---

(۱) حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے امام صاحب کی ولادت، وفات اور مدت عمر یاد رکھنے کے لئے ابجد کے حساب سے مصطفیٰ (۲۲۹) محمد (۹۲) اور محمد مصطفیٰ (۳۲۱) کا جو استخراج کیا ہے وہ علامہ عینیؒ کے قول پر مبنی ہے۔ وہ کلمات خود کسی قول کے صحت کی دلیل نہیں ہیں۔

(۷)امام احمد بن حنبلؒ کی وفات (۲۴۱ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر
۲سال تھی۔

(۸)امام دارمیؒ کی وفات (۲۵۵ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر
۱۶سال تھی۔

(۹)امام ابن خزیمہؒ کی وفات (۳۱۱ھ) کے وقت امام صاحب کی عمر
۷۲سال تھی۔

امام صاحب، حضرت امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ علیہم الرحمہ کے ساتھ تیس اساتذہ سے روایت کرنے میں شریک ہیں[1] اور امام نسائی رحمہ اللہ سے بھی روایت کرتے ہیں[2]

وفات امام صاحب نے ذی قعدہ کی چاندرات، شب جمعرات ۳۲۱ھ میں جان، جاں آفریں کے سپرد کی، تدفین قرافۂ مصر میں ہوئی۔ عمر شریف بیاسی سال ہوئی۔

مسلک امام صاحب نے سب سے پہلے اپنے ماموں امام مزنیؒ (ولادت ۱۷۵ھ وفات ۲۶۴ھ مطابق ۷۹۱۔ ۸۷۸ء) سے شافعی فقہ حاصل کیا مگر جلد ہی حنفی فقہ سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور پھر اسی کے ہو کر رہ گئے۔ اس تبدیلیٔ مسلک کی وجہ یہ پیش آئی کہ آپ کے ماموں ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی رحمہ اللہ، جو امام شافعی علیہ الرحمہ کے خاص تلمیذ اور ذکاوت میں پورے حلقہ میں ممتاز تھے، اپنے بھانجے کی علمی

---

(۱)المرآۃ لمن فی معانی الآثار من الرواۃ (تصنیف حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپوری)

(۲)معانی الآثار ج۱ ص ۱۲۳

پاس نہ بجھا سکے۔امام صاحب جوں جوں فقہ میں قدم آگے بڑھا رہے تھے، تمہید قواعد اور استنباطِ جزئیات میں ایک عجیب طرح کی کشمکش سے دو چار ہو رہے تھے، ادھر ماموں کے پاس وہ سامان نہ تھا جس سے امام صاحب کے تشنگی دور کرتے۔امام صاحب کو جستجو ہوئی کہ ماموں اختلافی مسائل کِس طرح حل کرتے ہیں؟ جلد ہی انھیں اندازہ ہو گیا کہ ماموں فقہ حنفی کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے استفادہ کر کے بہت سے مسائل میں اپنے امام کو چھوڑ کر امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی رائے سے ملتی جلتی رائے قائم کرتے ہیں اور اسے اپنی کتاب ''مختصر المزنی'' میں درج کرتے ہیں۔اس انکشاف نے [1] مہمیز کا کام کیا اور امام صاحب نے براہِ راست فقہ حنفی سے واقفیت پیدا کرنی شروع کر دی۔جب ماموں کو بھانجے کی فقہ حنفی سے دلچسپی کا پتہ چلا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

واللہ لایجیئ منك شیئ [2] بخدا تو کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکے گا۔

امام صاحب کو ماموں کی اس بد خبری سے ناراضگی ہوئی، چنانچہ ان کو چھوڑ کر باقاعدہ قاضی احمد بن ابی عمران بغدادی حنفی رحمہ اللہ سے فقہ حنفی حاصل کرنا شروع کر دیا۔ قاضی صاحب فقہ حنفی میں درک کامل رکھتے تھے اور عراق سے قضاء کے عہدہ پر فائز ہو کر مصر تشریف لائے تھے۔ بالآخر امام صاحب کو فقہ حنفی کی جاذبیت نے اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ

---

(۱) بکار بن قتیبہ نے مختصر المزنی کا جو رد لکھا تھا اس سے بھی امام صاحب واقف ہو چکے تھے

(۲) الفوائد البھیۃ ص ۱۸

مسلک شافعی کو خیر باد کہہ کر مسلک حنفی کے حلقہ بگوش ہو گئے۔
امام صاحب کی تبدیلیٔ مسلک کی اصل وجہ یہی ہے مگر اس سے حلقۂ شافعیہ میں کھلبلی مچ گئی اور طرح طرح کے افسانے گھڑے گئے جن پر علامہ زاہد الکوثریؒ نے "الحاوی" میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

خراجِ عقیدت

اہل نظر علماء ہمیشہ امام صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند آراء ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"امام طحاوی رحمہ اللہ کی ثقاہت، دیانت، امانت، فضیلتِ کاملہ اور حدیث و علل اور ناسخ و منسوخ میں یدِ طولیٰ حاصل ہونے پر اجماع ہے، آپ کے بعد آپ کا مقام کوئی پُر نہیں کر سکا"

(۲) ابن یونس رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"امام طحاوی قابل اعتماد، لائقِ بھروسہ اور سمجھدار فقیہ تھے، ان کے بعد ان جیسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا"

(۳) ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"طحاوی علیہ الرحمہ حنفی المسلک ہونے کے باوجود تمام فقہی مسالک سے بخوبی واقف تھے"

(۴) ابو المحاسن اپنی مشہور کتاب "النجوم الزاہرہ" میں لکھتے ہیں۔

"آپ فقہ و حدیث، اختلاف علماء، احکام فقہیہ اور لغت و نحو میں یگانۂ روزگار اور امام العصر تھے۔ بہترین تصانیف آپ کی علمی یادگار

ہیں، آپ حنفی فقہاء میں ایک جلیل القدر فقیہ تھے"

(۵) علامہ بدر الدین عینیؒ بہت سے مدحیہ اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"امام طبرانی، ابو بکر خطیب، ابو عبد اللہ حمیدی اور حافظ ابن عساکر وغیرہ متقدمین اور مزیؒ، حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر وغیرہ متاخرین حضرات نے بھی امام صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اور کسی بھی سمجھدار منصف مزاج آدمی کو اس بات میں شک نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ سے احکام مستنبط کرنے کے سلسلہ میں، اپنے معاصرین اور شریکِ روایت مصنّفین صحاح و سنن سے زیادہ قابل اعتماد، اور علم فقہ میں زیادہ گہرائی رکھتے ہیں۔ امام صاحب کی اور ان حضرات کی تصنیفات کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر و باہر ہے، نیز امام صاحب کی ان تالیفات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جو آپ نے علوم عقلیہ اور نقلیہ میں سپردِ قلم فرمائی ہیں ——— رہا روایتِ حدیث، واقفیتِ رجال اور کثرتِ اساتذہ کا معاملہ تو آپ عظمت، اعتماد، ثقاہت اور اعتبار میں امام بخاری و مسلم وغیرہ مصنّفین صحاح و سنن کے ہم پلہ اور ہم پایہ ہیں۔ اس کا کھلا ثبوت آپ کی روایات کی وسعت اور مشہور ائمۂ حدیث کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر چلنا ہے"

(۶) علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"امام صاحب کا شمار اسلامی فقہ کے مجتہدین کبار میں ہوتا ہے آپ نے روایت و درایت میں نہایت مفید کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔

آپ کو بیک وقت دو ایسے کمال حاصل تھے جس کی مثال اس وقت کے قافلۂ علماء میں مشکل سے نظر آئیگی ایک علوم حدیث میں مہارت تامہ اور دوسرے فقہ واصول فقہ میں درکِ کامل اور اس کا وہ تمام لوگ اعتراف کرتے ہیں، جنھوں نے امام صاحب کے آثار علمیہ سے استفادہ کیا ہے" (حاوی)

(۷) امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"امام طحاوی رحمہ اللہ مذہبِ حنفی کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے بلکہ سبھی مکاتیب فکر سے بخوبی واقف تھے۔ آپ امام شافعی رحمہ اللہ سے بیک واسطہ، امام مالک رحمہ اللہ سے بدو واسطہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بسہ واسطہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے شرح معانی الآثار [۱] میں بیک واسطہ روایت کرتے ہیں [۲]۔

نیز فرمایا۔

"آپ مجتہد ہیں اور ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق مجدد ہیں۔ میرے خیال میں بھی آپ احادیث کی تشریح، صحیح محمل کی تنقیح، غوامض کی توضیح اور بحث و تحقیق کے لحاظ سے مجدد ہیں آپ اپنے اندازِ بیان کے خود ہی موجد ہیں۔ کیونکہ آپ سے پہلے محدثین صرف روایات کی تخریج کیا کرتے تھے۔ بحث و تحقیق کے درپے نہیں ہوتے تھے [۳]

---

(۱) شرح معانی الآثار، ج ۲ ص ۱۶۴ (کتاب الفیئ) (۲) معارف السنن، ج ۱، ص ۱۱۴

(۳) حوالہ بالا۔

(۸) علامہ محمد یوسف بنوری (شارح ترمذی) فرماتے ہیں۔

"آپ کی عظمتِ شان میں، قوتِ حفظ میں، فنِ رجال کی مہارت میں، تبحر فی الحدیث میں اور فقہائے امت کے مذاہب کی ہمہ گیر واقفیت میں ہرگز دو رائیں نہیں ہیں۔ چاروں فقہی مکاتیبِ فکر میں، وسعتِ معلومات، تحقیقِ مسائل، تدقیق دلائل اور تفقہ کے لحاظ سے آپ کی ٹکر کا کوئی نہیں ہے"(۱)

(۹) استاذ محترم حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ

"امام طحاوی تو ہمارے بیرسٹر ہیں"

اساتذہ آپ کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے آپ کے صرف وہ اساتذہ جن سے آپ نے شرح معانی الآثار میں روایت کی ہے ایک سو چودہ ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے تمام اساتذہ کتنے ہوں گے۔ یہاں صرف چند حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) ہارون بن سعید ایلیؒ ــــــ آپ سے امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ بھی روایت کرتے ہیں۔

(۲) ربیع بن سلیمان جیزیؒ ــــــ آپ سے امام ابوداؤد اور امام نسائی بھی روایت کرتے ہیں۔

(۳) ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی ــــــ آپ امام طحاوی کے ماموں ہیں۔ آپ سے امام طحاویؒ نے بکثرت حدیثیں سنی ہیں۔ اور ان کو "مسندِ

---

(۱) حوالہ بالا، ص ۱۱۵ ج ۱

شافعی" میں مرتب بھی کر دیا ہے۔

(۴) یونس بن عبد الاعلی صدفی مصریؒ ــــــ آپ سے امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ بھی روایت کرتے ہیں۔

(۵) علی بن سعید بن نوح (۶) عیسیٰ بن ابراہیم غافقی (۷) سلیمان بن شعیب کیسانی (۸) ابو قرہ محمد بن حُمید رُعینی (۹) مالک بن عبد اللہ تُجَیبی (۱۰) ابراہیم بن مرزوق وغیرہ۔

تلامذہ امام صاحب کے مستفیدین کی فہرست سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ وہ حضرات جو اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو کر یگانۂ روزگار بنے اُن میں سے چند نام یہ ہیں۔

(۱) حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ ــــــ معجم کبیر، معجم صغیر اور معجم اوسط کے مصنف۔

(۲) حافظ ابو سعید عبد الرحمٰن بن احمد بن یونس مصری ــــــ تاریخ مصر کے مصنف۔

(۳) حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم مقری ــــــ شرح معانی الآثار کے راوی۔

(۴) حافظ ابو بکر محمد بن جعفر بغدادی ــــــ جو غُندَر سے مشہور ہیں۔

(۵) حافظ علی بن احمد مصری ــــــ امام صاحب کے صاحبزادے۔

(۶) مسلمہ بن قاسم قرطبی ــــــ وغیرہ وغیرہ

ناقدین ہر بڑے آدمی کے کرم فرما ضرور ہوتے ہیں، جو صحیح یا غلط نقد کر کے اپنی تشفی کرتے ہیں بلکہ آدمی جب بہت بڑا ہو جاتا ہے تو اس کے حاسدین پیدا ہو جاتے ہیں۔ فضل کا پہلا درجہ محسود الاقران

ہوتا ہے کہ اس کے معاصرین اس پر جلنے لگیں اور دوسرا اور آخری درجہ محسود الاکابر ہونا ہے کہ وقت کے بڑے اس پر جلنے لگیں۔امام صاحب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ہم آپ کی جلالت شان پر حقیقت شناس حضرات کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں۔اب کچھ ناقدین کی بھی سنئے۔

امام بیہقی کی تنقید امام ابوبکر بیہقی اپنی سنن وسطی کے شروع میں، جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔تحریر فرماتے ہیں۔

"جس وقت میں نے اس کتاب کی ابتدا کی،ایک شاگرد طحاوی کی ایک کتاب لے آیا۔اس میں طحاوی نے کتنی ہی ضعیف احادیث کو اپنی رائے سے صحیح کہا ہے اور کتنی ہے صحیح احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔"[1]

علامہ عبد القادر قرشی رحمہ اللہ امام بیہقی کی اس تنقید کا اس طرح نوٹس لیتے ہیں:

"خدا کی قسم! امام طحاویؒ ایسی حرکت سے کوسوں دور ہیں۔ بیہقی جس کتاب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ یہی کتاب ہے۔ جسے زمانہ "شرح معانی الآثار" کے نام سے جانتا ہے"

اس کے بعد انھوں نے شرح معانی الآثار کی جو خدمت کی ہے اس کا مفصل تذکرہ کر کے فرماتے ہیں۔

"بیہقی نے امام طحاوی رحمہ اللہ کے بارے میں جن باتوں کا

---

(۱) امام بیہقی کی اصل عبارت کشف الظنون میں، شرح معانی الآثار کے تذکرہ کے ذیل میں ہے۔

تذکرہ کیا ہے، بخدا! ان میں سے کوئی بات بھی مجھے ان کی کتاب میں نہیں ملی۔ البتہ ان کی تنقید کی وجہ سے ہمارے استاذ علامہ ابن الترکمانی رحمہ اللہ نے بیہقی کی سنن کبریٰ کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور ایک عظیم الشان کتاب الجوہر النقی تالیف فرمائی اور اس میں بیہقی کی بہت سی کارستانیوں سے پردہ اٹھایا کہ کس طرح بیہقی ایک جگہ امام طحاویؒ پر گرفت کرتے ہیں اور دوسری جگہ خود اس غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بیہقی کی عادت ہے کہ جب وہ اپنے مسلک کی تائید میں کوئی حدیث لاتے ہیں، اور اس کی سند میں کوئی کمزور راوی ہوتا ہے تو اس کی توثیق کرتے ہیں مگر جب اس راوی کی دوسری حدیث حنفی مسلک کی تائید میں آجاتی ہے تو اس کو ضعیف ٹھہرادیتے ہیں۔ استاذ محترم نے بیہقی کی اس عادت کی تفصیل دو تین ورق میں کی ہے۔ استاذ کی یہ تالیف آج کل عام طور پر ملتی ہے، جس کو شک ہو وہ اپنا شک دور کرلے۔ واقعہ یہ ہے کہ استاذ کی یہ تصنیف فن حدیث کی ایک عظیم الشان خدمت ہے۔"

علامہ قرشیؒ نے اپنے استاذ ابن الترکمانی رحمہ اللہ کی جس تصنیف کا ذکر کیا ہے اس کا پورا نام الجوهر النقي في الرّد علی البیهقي ہے یہ علحدہ بھی اور سنن کبریٰ کے ساتھ بھی حیدر آباد سے شائع ہوچکی ہے ـــــ علاوہ ازیں امام بیہقی کی بے جا تنقید کی حقیقت تین کتابوں نے بالکل ہی واشگاف کردی ہے۔

(۱) حافظ عبدالقادر قرشیؒ کی الحاوی في تخریج أحادیث الطحاوی

(۲) علامہ بدر الدین عینیؒ کی نُخَبُ الأفکار فی شرح مُعانی الآثار

(۳) علامہ بدر الدین عینیؒ کی مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار

امام ابن تیمیہ کی تنقید امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب منہاج السنة النبویه فی نقض کلام الشیعة والقدریة میں امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

والطحاوی لیست عادتهُ نقد الحدیث کنقد أهل العلم ولهذا روی فی شرح معانی الآثار الاحادیث المختلفة، وإنما یرجح مایرجحه منها فی الغالب من جهة القیاس، الذی رآه حجة ویکون أکثرها مجروحا من جهة الإسناد، لایثبت، ولا یتعرض لذلك، فإنه لم تکن معرفته بالإسناد کمعرفة أهل العلم به، وإن کان کثیر الحدیث، فقیها عالما (ج ۴ ص ۱۹۴)	طحاوی کی عادت محدثین کی طرح حدیث پرکھنے کی نہیں ہے چنانچہ شرح معانی الآثار میں مختلف احادیث کو روایت کرکے جس حدیث کو بھی ترجیح دیتے ہیں، اپنے پسندیدہ قیاس کی روشنی میں ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ سند کے اعتبار سے، ان میں سے اکثر مجروح ہوتی ہیں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہوتی ہیں مگر طحاوی کو اس (سند) سے کچھ بحث نہیں ہوتی، کیونکہ وہ محدثین کی طرح علم الاسناد سے واقف نہیں تھے اگرچہ وہ کثیر الحدیث فقیہ اور عالم تھے۔

ابن تیمیہؒ نے امام صاحب پر اتنا سخت نقد کیوں کیا ہے؟ اس لئے کہ امام صاحب نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو صحیح قرار

دیا ہے جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے آفتاب کا غروب کے بعد طلوع ہونا مذکور ہے۔ حالانکہ خالص فنی نقطۂ نظر سے حضرت اسماء کی اس روایت کو مردود نہیں قرار دیا جاسکتا، محدثین نے ہر دور میں اس روایت کی مختلف اسانید کو جمع کیا ہے اور اس کو درست تسلیم کیا ہے ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ کا نام اس ذیل میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور قاضی عیاضؒ نے الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں اس کو صحیح کہا ہے۔ (۱)

لیکن چونکہ اس کی صحت تسلیم کرنے سے ابن تیمیہ کے موقف پر اثر پڑتا تھا۔ اس لئے خود انھوں نے اپنے پسندیدہ قیاس کی رو سے اس کو باطل قرار دیا ہے۔

رہا یہ نقد کہ "طحاوی فن اسماء رجال سے کماحقہ واقف نہیں تھے" تو ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے؟ معانی الآثار کی کوئی بحث، اسناد اور رجال کی جرح و تعدیل سے خالی نہیں یہ کتاب اور ان کی دوسری کتابیں اہل علم کے سامنے موجود ہیں، خود ملاحظہ فرما کر فیصلہ کرلیں۔

بتائیں، جب کرابیسی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب کتاب المُدَلّسین لکھی تو اس کی غلطیوں کا پردہ چاک کس نے کیا؟ وہ امام صاحب ہی تھے جنھوں نے بروقت نقض کتاب المدلسین لکھ کر اس کا رد کیا۔ کیا وہ شخص یہ کام انجام دے سکتا ہے جو فن رجال سے کماحقہ واقف نہ ہو؟

---

(۱) تفصیل کیلئے دیکھئے شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کی تعلیقات بر موضوعات صغریٰ لعلی القاری۔

اصل بات یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ کی ایک خاص غیر علمی عادت ہے کہ جب وہ کسی عالم کے یہاں کوئی بات دیکھتے ہیں، اور اسے اپنے خیال میں غلط سمجھتے ہیں تو اس ایک بات سے کلیہ بناتے ہیں۔ پھر اس مزعومہ کلیہ کو اس عالم کی طرف منسوب کر کے تنقید فرماتے ہیں۔ امام صاحبؒ کے سلسلے میں بھی یہی صورت پیش آئی ہے۔ صرف ایک حدیث کی وجہ سے، جسے امام صاحب نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن تیمیہ کے معیارِ نقد میں وہ صحیح نہیں ہے، امام صاحب کے بارے میں ایک کلیہ بنالیا کہ "طحاوی کی عادت قیاس کی روشنی میں احادیث پر حکم لگانے کی ہے" حالانکہ کسی ایک یا چند جزوی باتوں سے کلیہ بنالینا نہ علمی طریقہ ہے نہ منطقی!

حافظ ابن حجر کی ناانصافی

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے کون ناواقف ہے؟ فن اسماء رجال میں انھوں نے جو قابل قدر کارنامے انجام دئے ہیں، وہ سر آنکھوں پر مگر یہ بھی حقیقت ہے، جیسا کہ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ

رجالِ حنفیہ کو جس قدر نقصان حافظ نے پہنچایا ہے اور کسی نے نہیں پہنچایا ہے۔(۱)

حافظ صاحب برابر اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی حنفی راوی ملے، تو اسے گرائیں اور شافعی راوی ملے، تو اسے ابھاریں، وہ اپنے اس مقصد کے لئے طرح طرح کے ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ ان کی اِن بے

---

(۱) مقدمہ انوار الباری ص ۷ او ۶۸ ج ۲

انصافیوں پر، اُن کے عزیز القدر تلمیذ حافظ سخاوی رحمہ اللہ تلملا کر رہ گئے ہیں اور ''دُرَرِ کامنہ'' کی تعلیقات میں یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ۔

حافظ ابن حجرؒ جب تک سچائی کا پہلو کمزور نہ کر دیں، کسی حنفی عالم کے حالات بیان ہی نہیں کر سکتے

امام صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ بھی حافظ صاحب نے یہی معاملہ کیا ہے۔ ''لسان المیزان'' میں مسلمۃ بن قاسم اندلسی کی کتاب الصلۃ سے ابن احمر تاجر کا قول نقل کیا ہے کہ۔

''تیسری صدی ختم ہونے سے پہلے میں مصر پہنچا، وہاں لوگ ایک نہایت قبیح معاملے میں طحاوی کو متہم کرتے تھے''۔ (۱)

حافظ ابن حجرؒ اس ''نہایت قبیح معاملہ'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس بات کا تعلق یا تو قضاء کے معاملات سے تھا یا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، اس فتوے سے تھا، جو طحاوی نے امیر ابو الجیش بن احمد بن طولون کو آختہ غلاموں سے بدکاری کے جواز میں دیا تھا'' (۲)

اللہ اکبر! حافظ صاحب کیا کر رہے ہیں؟ وہ نہ صرف مسلمہ کی کتاب سے ابن الاحمر کا قول نقل کرتے ہیں بلکہ اسکی مزید وضاحت کر کے اتہام کو سنگین بناتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ قارئین امام طحاوی سے اچھی طرح بدظن ہو جائیں اور ان کی شہرت داغدار ہو جائے۔ حالاں کہ حافظ صاحب مسلمہ بن قاسم قرطبی کی دروغ بافی اور اتہام طرازی سے بخوبی واقف ہیں

(۱) لسان ص۲۷۶ ج۱ (۲) حوالہ بالا

وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسلمہ کو نہ صرف ضعیف کہا ہے بلکہ فرقہ مُشبّھہ میں شمار کیا ہے۔ اسی مسلمہ نے سید المحدثین امام بخاری قدس سرہ پر دو اتہام باندھے ہیں۔

(۱) امام بخاری خلق قرآن کے قائل تھے (یعنی معتزلی تھے)

(۲) امام بخاری نے اپنے استاذ علی بن المدینی کی "کتاب العلل" ان کے لڑکے کو رشوت دیکر حاصل کی اور چپکے سے اس کی نقل کرالی۔

حافظ ابن حجرؒ اپنی مشہور کتاب تہذیب التہذیب میں ان اتہامات کی پر زور تردید فرماتے ہیں۔

قلت: إنما أوردت كلام مسلمة هذا، لأبين فساده فمن ذلك: إطلاقه بأن البخارى كان يقول بخلق القرآن، و هو شئ لم يسبقه إليه أحد، وقد قد منا مايدل على بطلان ذلك، وأما القصة التى حكاها فيما يتعلق بالعلل لابن المدينى، فإنها غنية عن الرد لظهور فسادها، وحسبك أنها بلاإسناد، وأن البخارى لما مات على كان مقيما ببلاده، وأن العلل لابن المدينى قد سمعها منه غير واحد غير البخارى، فلو كان ضنينا بها لم يخرجها، إلى غير ذلك من وجوه البطلان لهذه الأخلوقة والله الموفق (۵۵/۹)

ترجمہ: حافظ صاحب فرماتے ہیں: میں نے مسلمہ کی یہ عبارت (اس کی کتاب الصلہ سے) صرف اس لئے نقل کی ہے کہ اس کا غلط ہونا واضح کردوں:

(۱) مسلمہ کا یہ اتہام کہ بخاری خلقِ قرآن کے قائل تھے، اس سے پہلے یہ بات کسی نے نہیں کہی اور ہم پہلے وہ دلائل دے چکے ہیں جن سے اس اتہام کی قلعی کھل جاتی ہے۔

(۲) رہا وہ قصہ جو اس نے علی بن المدینی کی کتاب العلل کے متعلق ذکر کیا ہے تو وہ بچند وجوہ باطل ہے۔

اوّلاً: اس کی تردید کی حاجت ہی نہیں کیونکہ اس کا غلط ہونا واضح ہے۔

دوم: اس کے غیر معتبر ہونے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ وہ بے سند ہے۔

سوم: جس وقت علی بن المدینی کا انتقال ہوا، امام بخاریؒ اپنے وطن میں تھے (اور اس داستان میں اس وقت امام بخاری کا علی بن المدینی کی خدمت میں ہونا بتایا گیا ہے)

چہارم: علی بن المدینی سے کتاب العلل امام بخاریؒ کے علاوہ بھی کئی حضرات نے پڑھی ہے، اگر امام علی اس کتاب کے بارے میں بخیل ہوتے تو اسے دکھاتے ہی کیوں؟

علاوہ ازیں متعدد دلائل ہیں جن سے اس خود ساختہ داستان کا باطل ہونا واضح ہوتا ہے واللہ الموفق"

دیکھا آپ نے یہی مسلمہ جب امام بخاریؒ پر اتہام باندھے تو اس کی بات گوزشتر سے زیادہ وقیع نہ ہو اور اس کا بے سند ہونا ہی اس کے غلط ہونے کے لئے کافی ہو، مگر جب وہ اس سے زیادہ سنگین اتہام امام طحاویؒ پر باندھے اور بالکل بے سند گھڑے تو حافظ صاحب کو اس کی توضیح کی ضرورت پیش آئے! فیا للعجب! انصاف کو آواز دینا، کہ انصاف کہاں ہے؟

تصانیف امام طحاوی رحمہ اللہ

کثرتِ فوائد اور جامعیت و تحقیق کے اعتبار سے امام صاحب کی تصنیفات پیکرِ رعنائی ہیں۔ علمائے امت نے ہمیشہ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مشہور و متداول کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) مختصر الطحاوی فقہ حنفی کی سب سے پہلی، نہایت معتمد اور اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے، اندازِ نگارش فقہ شافعی کی مختصر المزنی جیسا ہے۔ تصحیح و تعلیق کے پورے اہتمام کے ساتھ إحیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے طبع ہو چکی ہے۔ علامہ ابوالوفا افغانی رحمہ اللہ نے ۱۳۷۰ھ میں اس کو ایڈیٹ کیا ہے۔ قدوری سائز کے ۴۷۸ صفحات میں ہے امام طحاویؒ نے اس کتاب میں امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے اقوال مع ترجیحات ذکر کئے ہیں۔ متعدد حضرات نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ سب سے قدیم اور اہم شرح امام ابو بکر جصاص رازیؒ کی ہے دوسری شرح ابو عبد اللہ صمیریؒ کی ہے۔ تیسری شرح شمس الائمہ سرخسیؒ کی ہے ایک اور شرح ابو نصر احمد بن محمد معروف بہ "اقطع" (شارح قدوری) کی ہے، علامہ اسبیجابی اور خجندی رحمہما اللہ نے بھی اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ موجودہ نسخہ پر مولانا ابوالوفا افغانی رحمہ اللہ کا نہایت قیمتی حاشیہ بھی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی شروح ہیں۔

امام صاحب نے یہ کتاب اپنے ماموں ابو ابراہیم مزنی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد تصنیف کی ہے اور خود ان کی نگاہ میں اتنی باوقعت اور

عظیم الشان تھی کہ فرماتے تھے۔

رحم اللہ أبا ابراهيم — يعني المزني — لو كان حيا لكفر عن يمينه (لسان المیزان ج۱ص ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ ماموں مزنی کو معاف فرمائیں۔اگر وہ زندہ ہوتے اور یہ کتاب دیکھتے تو اپنی قسم کا کفارہ دیتے

امام صاحب کا اشارہ ماموں کی اس قسم کی طرف ہے جو انھوں نے بھانجے پر غصہ کی حالت میں کھائی تھی کہ بخدا! تم کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکو گے۔اب امام صاحب نے مختصر المزنی کے طرز پر مختصر الطحاوی لکھ کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے ماموں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں،اگر ان کی مختصر قابل ذکر کارنامہ ہے اور یقیناً ہے تو امام صاحب کی مختصر اس سے بڑا کارنامہ ہے۔کیونکہ امام مزنی نے فقہ حنفی سے استفادہ کر کے اپنی مختصر مرتب کی تھی اور امام صاحب نے اپنی مختصر میں کسی دوسرے امام کی خوشہ چینی نہیں کی۔

(۲) بیان مشکل الآثار امام صاحب نے اس کتاب میں احادیث نبویہ سے اس تضاد کو رفع فرمایا ہے جو بظاہر محسوس ہوتا ہے نیز احادیث سے احکام کا استنباط بھی کیا ہے۔یہ امام صاحب کی آخری تصنیف ہے۔اس کا ایک نسخہ سات ضخیم جلدوں میں استنبول کے کتب خانہ میں ہے،کہتے ہیں کہ صحت کے لحاظ سے وہ قابل اعتماد ہے۔حیدر آباد سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں،جو آدھی کتاب کے بقدر بھی نہیں ہے (اب پوری کتاب طبع ہو گئی ہے)

مشہور فلسفی ابن رشد کے دادا ابو الولید بن رشد الجد نے اس کتاب

کی تلخیص کی ہے اور کتاب پر چند اعتراضات کئے ہیں۔ ان کی تلخیص کا نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ علامہ بدر الدین عینی کے استاذ قاضی القضاۃ جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطی نے ابن رشد الجد کی تلخیص کا نہایت عمدہ اختصار کیا ہے، جس کا نام المعتصر من المختصر ہے اور حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے مگر افسوس کہ مؤلف اور اختصار کرنے والے کا نام غلط چھپا ہے۔ ملطی نے اپنے اختصار میں ابن رشد کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔

علامہ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے امام صاحب کی اس تصنیف کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے:

"جو امام شافعی علیہ الرحمہ کی "اختلاف الحدیث" اور ابن قتیبہ کی "تاویل مختلف الحدیث" دیکھ چکا ہے اگر امام صاحب کی یہ کتاب دیکھے تو امام صاحب کی جلالتِ قدر اور وسعتِ معلومات کا اور زیادہ معتقد ہو جائے گا۔"

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کتاب میں بڑی باریکیاں بیان کی گئی ہیں۔ قسم بخدا! ہر باب میں نہایت اختصار کے ساتھ عجیب وغریب مضامین سپرد قلم کئے ہیں۔ میں نے وہ مضامین کسی کتاب میں نہیں دیکھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب فن حدیث میں امامت کا رتبہ رکھتے ہیں اور صدیوں میں کہیں آپ جیسی کوئی شخصیت پیدا ہوتی ہے۔"(۱)

---

(۱) فیض الباری ص ۸ ج ۴

امام صاحب نے شرح معانی الآثار کو تو فقہی ابواب پر مرتب فرمایا ہے جس کی وجہ سے استفادہ سہل ہو گیا ہے۔ مگر اس کتاب میں کوئی ترتیب قائم نہیں کی، جس کی وجہ سے مضمون تلاش کرنا نہایت دشوار ہے مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں قاضی جمال الدین ملطیؒ کو کہ انھوں نے اپنی تلخیص کو مرتب کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے استفادہ سہل ہو گیا ہے۔ ان کے علاوہ شارح مسلم علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجیؒ نے بھی مشکل الآثار کی تلخیص فرمائی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

(۳) عقیدۃ الطحاوی امام صاحب (وفات ۳۲۱ھ) مرتبین علم کلام امام ابو الحسن اشعریؒ (وفات ۳۲۴ھ) اور امام ابو منصور ماتریدیؒ (وفات ۳۳۳ھ) کے ہم عصر ہیں اور علم کلام کی تدوین میں ان کے شریک و سہیم ہیں۔ آپ نے علم کلام میں یہ مشہور متن تصنیف فرمایا ہے اس کا پورا نام ہے:

بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب فقهاء الملة أبي حنيفة وأبي يوسف الأنصاري ومحمد بن الحسن مگر مشہور "عقیدۃ الطحاوی" کے نام سے ہے۔ اس میں مختصر اور سہل انداز میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد بیان کیے گئے ہیں اور مدارسِ اسلامیہ میں داخلِ درس ہے۔

نجم الدین ابو شجاع بکبرس ناصری بغدادی، عمر بن اسحاق سراج غزنوی ثم مصری، علامہ محمود قونوی اور علی بن محمد صدر اذرعی نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ مگر سب غیر مطبوعہ ہیں، متداول صرف ایک شرح اور ایک تعلیق ہے۔

(۱) شرح العقيدة الطحاوية یہ شرح متوسط سائز کے ۶۰۰ صفحات میں ہے اور عرب ممالک میں عام طور پر ملتی ہے بلکہ بعض معاہد میں تو

داخل مطالعہ بھی ہے۔ شارح کا نام قطعیت سے معلوم نہیں۔ غالباً علی بن علی بن محمد ابن ابی العزا لحنفی کی ہے۔ یہ نہایت مبسوط شرح ہے۔ اس میں علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی کتابوں سے بکثرت عبارتیں نقل کی گئی ہیں مگر کسی مصلحت سے حوالہ نہیں دیا گیا۔

(۲) التعلیقات الطیبیۃ یہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے حواشی ہیں۔ اس میں مسائل کے دلائل نقلیہ (آیات واحادیث) ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اصل کتاب ''عقیدۃ الامام الطحاوی'' کی مقبولیت کا اندازہ، علامہ عبدالوہاب السبکی رحمہ اللہ کے اس بیان سے ہوتا ہے:

''بحمد اللہ! چاروں مذاہب، عقائد میں متحد ہیں —— علاوہ ان لوگوں کے جو معتزلہ اور مجسمہ کے ہم خیال ہو گئے ہیں۔ باقی جمہور جو حق پر ہیں ''عقیدۃ الطحاوی'' پڑھتے ہیں، اسے علمائے سلف وخلف میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔''[1]

(۳) نقض کتاب المدلسین: یہ ابو علی حسین بن علی کرابیسی کی کتاب المدلسین کا رد ہے وہ ایک نہایت خطرناک کتاب تھی۔ اس میں اعدائے سنت کے لئے مواد اکٹھا کیا گیا تھا۔ اس کا مصنف چاہتا تھا کہ ان تمام رواۃ کو غیر معتبر بنا دیا جائے جو اس کے ہم مذہب نہیں ہیں۔ یہ کتاب امام احمدؒ کی خدمت میں لائی گئی، اور انھیں پڑھ کر سنائی گئی، انھیں معلوم نہیں تھا کہ اس کا مصنف کون ہے، جب انھوں نے دیکھا کہ اس میں امام

---

(۱) معید النعم ومبید النقم للسبکی بحوالہ شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۳

اعمشؒ پر طعن ہے اور حسن بن صالح کو معتبر بتایا گیا ہے اور یہ دلیل دی گئی ہے کہ اگر حسن پر خارجی ہونے کا الزام ہے تو یہ الزام تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر بھی ہے۔ امام احمدؒ نے سن کر فرمایا۔

"اس کے مصنف نے تو مخالفین سنت کے لئے وہ دلائل فراہم کئے ہیں، جنھیں شاید وہ بھی پسند نہ کریں، پس اس کتاب سے بچو!"

الغرض اس کتاب کی وجہ سے گمراہ فرقوں کو اہل سنت پر زبان طعن دراز کرنے کا موقعہ ملا بلکہ بعض محدثین بھی اس کی مغالطہ آمیز باتیں نقل کرنے لگے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بروقت اس کا رد لکھا اور اس فتنہ کو ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سلا دیا، یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔

(۵) التسویة بین حدثنا و أخبرنا اس رسالہ میں یہ بحث ہے کہ اگر کوئی شخص استاذ کے سامنے احادیث پڑھے۔ اور استاذ اقرار کرے اور روایت کرنے کی اجازت دے تو یہ شخص کس لفظ سے حدیث بیان کرے گا؟ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے مسئلہ میں تین رائیں نقل کی ہیں۔

پہلی رای: یہ ہے کہ اس صورت میں حدثنا اور أخبرنا دونوں لفظ استعمال کرسکتا ہے۔ یہ رائے امام مالک، امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کی ہے۔

دوسری رای: یہ ہے کہ اس صورت میں صرف أخبرنا استعمال کرسکتا ہے حدثنا کا استعمال صرف اس صورت میں ہے کہ استاذ نے حدیث پاک کے الفاظ اپنے منہ سے ادا کئے ہوں۔

تیسری رای: یہ ہے کہ اس صورت میں قُرِئَ عَلٰی فُلَانٍ کہے گا، نہ

حدثنا کہہ سکتا ہے نہ أخبرنا۔

اس کے بعد امام طحاویؒ نے سات آیات اور آٹھ احادیث سے پہلی رای کی صحت ثابت کی ہے۔ یہ رسالہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ کو، انھوں نے اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں امام صاحب کے اس رسالہ کا لب لباب اور خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔(۱)

(۶) اختلاف العلماء: یہ کتاب فن خلافیات میں ہے اور نا مکمل ہے۔ علامہ محمد زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اصل کتاب تو نہیں دیکھی، مگر اس کی تلخیص، جو امام ابو بکر جصاص رازیؒ نے کی ہے، استنبول کے کتب خانہ میں دیکھی ہے۔ اس کتاب میں ائمہ اربعہ، ان کے تلامذہ، امام نخعی، عثمان بتی، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلی اور حسن بن حی وغیرہ قدیم مجتہدین امت کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ مسائل خلافیہ میں ان حضرات کی آراء کا پتہ چلانا آج کس قدر مشکل کام ہے، اس کو وہی حضرات جان سکتے ہیں جنھیں اس سلسلہ میں محنت کرنی پڑتی ہے۔ کاش کوئی بندۂ خدا اصل کتاب کا سراغ لگاتا یا کم از کم رازیؒ کی تلخیص ہی شائع کر دیتا۔

(۷) احکام القرآن: قاضی عیاضؒ نے اکمال میں لکھا ہے کہ امام طحاویؒ نے تفسیر کے موضوع پر ایک ہزار ورق لکھے ہیں، غالباً وہ اسی احکام القرآن کا ذکر ہے۔ یہ کتاب بھی مفقود ہے۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ امام صاحب کی دو درجن کتابیں اور

---

(۱) جامع العلم ج ۲ ص ۲۱۴ تا ۲۱۶

بھی ہیں جن کا تذکرہ علامہ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے الحاوی فی سیرۃ الطحاوی میں اور مبلغ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندہلویؒ نے امانی الاحبار کے مقدمہ میں اور مولانا عبد الرشید نعمانی نے فوائد جامعہ میں کیا ہے۔ چونکہ وہ کتابیں موجود نہیں اور نہ ان کا تفصیلی حال معلوم ہے اس لئے ہم ان کا تذکرہ چھوڑ کر آئندہ صفحات میں امام صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب شرح معانی الآثار کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔

شرح معانی الآثار

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بے حساب اور بے شمار احسانات فرمائے ہیں، ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی صلاح و فلاح کے لئے نبوت و رسالت کا مبارک سلسلہ جاری فرمایا۔ یہ سلسلہ ہزاروں سال جاری رہا۔ یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر یہ سلسلہ ختم فرمادیا اور آپ ﷺ کے ذریعے وہ آخری اور مکمل ہدایت بھیج دی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ہے۔

خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو سرمایہ، انسانیت کو آنحضور ﷺ کے ذریعے ملا، اس کے دو حصے ہیں (۱) کتاب اللہ، جو لفظاً و معنیً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (۲) آنحضور ﷺ کے ارشادات اور تمام قولی و فعلی ہدایات، جو آپ ﷺ نبی و رسول، قرآن کے معلم و شارح کی حیثیت سے امت کو دیتے تھے، جسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے محفوظ رکھ کر بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اس کو پورے سلسلۂ روایت کے ساتھ کتابوں میں

محفوظ کر دیا ـــــ آنحضور ﷺ کی تعلیمات وہدایات کے اس حصہ کا عنوان "حدیث وسنت" ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو اپنی عمر طبعی گزار کے، اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر انسانیت کی راہنمائی کے لئے اپنی لائی ہوئی تعلیم وہدایت کے یہ دونوں حصے امت کے پاس چھوڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ان دونوں کی حفاظت کے ایسے ظاہری وباطنی انتظامات فرمائے کہ غور وفکر کرنے والوں کے لئے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی اور آنحضور ﷺ کے معجزات میں سے ایک زندہ معجزہ ہے۔

انہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب وسنت کو جس قسم کی خدمت کی ضرورت پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں اس کا داعیہ پیدا فرما کر ان کو اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔ عہد نبوی سے لیکر آج تک قرآن وحدیث کی جن جن شکلوں میں خدمات انجام دی گئی ہیں، اگر کوئی غور سے دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہر دور کی ضرورتوں کا "خداوندی انتظام" تھا اور جن بندوں کے ذریعے ہوا وہ صرف "آلۂ کار" تھے

کارِ زلفِ تست مشک افشانی، اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند[1]

(مشک افشانی تیری زلفوں کا کام ہے۔ مگر عشاق، بربنائے مصلحت اس کا سہرا آہوانِ چیں کے سر باندھتے ہیں)

---

(۱) ماخوذ از معارف الحدیث ص۹و۱۰ ج ا (از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب)

فتنۂ انکارِ حدیث

نبی پاک ﷺ کے بعد جو نئی نئی گمراہیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے، جن کی آزادی پسند طبیعتوں کے لئے احکام شریعت کی پابندی سخت گراں اور شاق تھی، یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ:

"دینی حجت بس قرآن ہے، رسول کا کام صرف قرآن پہنچا دینا تھا اور اب ہمارا کام صرف قرآنی احکام کی تعمیل ہے، اس سے باہر اور اس کے علاوہ کوئی چیز حجت دینی نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول کا قول و فعل بھی دینی حجت اور واجب الاتباع نہیں ہے ــــــ یعنی احادیثِ نبویہ اور اُسوۂ حسنہ پر کسی دینی اور کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی"

اس فتنہ کی پیش خبری زبانِ رسالت نے فرما دی تھی۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ۔

"کیا تم میں سے کچھ لوگ پلنگ پر پڑے یہ گمان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف وہی حرام کیا ہے جس کا تذکرہ قرآن میں ہے؟ خبردار! خدا کی قسم! میں نے بھی احکامات دیے ہیں، نصیحتیں کی ہیں، اور بہت سی چیزوں سے روکا ہے۔ جو قرآن پاک کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ ہیں"(۱)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۲۹۔

"خبردار! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی قدر اور احکامات دئے گئے ہیں۔ یاد رکھو! اس بات کا امکان ہے کہ ایک شخص شکم سیر، پلنگ پر پڑا کہنے لگے کہ تم بس قرآنی احکام کی تعمیل کرو، اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے اسے حرام جانو۔ حالانکہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ بھی ویسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزیں حرام ہیں"(۱)

اس پیشین گوئی کے مطابق دوسری صدی ہی میں منکرین حدیث کا گروہ وجود میں آگیا تھا، جو کہتا تھا کہ "ہمارے لئے صرف قرآن کافی ہے حدیث کی روایات ناقابلِ اعتبار ہیں، اور ان پر مذہب کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے" ـــــ ان منکرینِ حدیث کی طرف سے جو اعتراضات یا دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ جزئی اور عمومی۔

جزئی اعتراضات تو یہ ہیں کہ فلاں حدیث ایسی ہے اور فلاں ایسی، اس لئے یہ سارا ذخیرہ ناقابلِ اعتبار ہے ـــــ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ بعض احادیث تحریفِ قرآن کا ثبوت فراہم کرتی ہیں، بعض اس الزام کی تائید کرتی ہیں کہ وحی کا نزول ایک ڈھونگ تھا، رسول اللہ ﷺ جو کچھ اہل کتاب سے سنتے تھے اس کو وحی بنا کر پیش کر دیتے تھے (معاذ اللہ) بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کا نزول رسول اللہ ﷺ کی خواہشاتِ نفسانی کے مطابق ہوتا تھا، بعض اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہو جاتا تھا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مخالفین کو

(۱) ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی بحوالۂ مشکوۃ ص ۲۹

خفیہ طریقوں سے قتل کرادیتے تھے (کعب بن اشرف کا واقعہ) بعض سے رسول اللہ ﷺ پر ظلم اور بے رحمی کا الزام عائد ہوتا ہے (عُکل اور عُرَینہ والوں کا واقعہ) بعض سے رسول اللہ ﷺ پر نفس پرستی کا الزام نکلتا ہے۔[1]

یہ اعتراضات یا تو ان احادیث کی اسنادی حالت نہ جاننے کا نتیجہ ہیں، یا صحیح مطلب نہ سمجھنے کا یا پھر حدیث کی کتابوں پر عیب چینی کی نگاہ ڈالنے کا ثمرہ ہیں۔

اور علم حدیث پر عمومی اعتراضات یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے کی ممانعت فرمائی تھی، پھر خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں بھی اس کی اشاعت ممنوع تھی، اگر وہ دینی حجت ہوتیں تو قرآن پاک کی طرح ان کی کتابت واشاعت کا اہتمام کیا جاتا، پھر وہ باہم متعارض ومناقض اس قدر ہیں کہ ان سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ جاتا ہے۔

ان عمومی اور خصوصی اعتراضوں کے جواب میں علمائے امت نے نہ صرف یہ کہ بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں، بلکہ کئی ایک نئے فن بھی ایجاد کیے "موضوعات" کا فن ایجاد کیا، اس کے اصول وضوابط متعین کئے اور گھڑی ہوئی حدیثوں کو الگ کیا، مشتبہ احادیث کا مطلب بیان کیا، اور ان سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا، اور احادیثِ مختلفہ کی ایسی توجیہات کیں جن سے ان کا تعارض ختم ہو گیا۔

منکرین حدیث کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کے جواب میں علمائے امت نے جو کام کئے، ان میں سب سے زیادہ قیمتی کام امام طحاویؒ کا

---

(۱) دیکھئے "حق کو نساد کی کتاب "میں منکرِ حدیث کیوں ہوا؟" شائع کردہ دفتر امت مسلمہ امر تسر

ہے آپ نے مشتبہ اور مشکل احادیث پر اپنی مانہ ناز کتاب بیانُ مشکل الآثار تالیف فرمائی اور احادیث مختلفہ کی توجیہ میں ''شرح معانی الآثار'' تالیف فرمائی۔ خود امام صاحب معانی الآثار کے دیباچہ میں وجہ تصنیف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مجھ سے ایک ذی علم تلمیذ نے درخواست کی کہ میں ان کیلئے ایک مجموعہ مرتّب کروں، اور اس میں احکام کی وہ مرفوع احادیث درج کروں، جن کے بارے میں ملحدین (بددین) اور ضعیف العقیدہ مسلمان اس وہم میں مبتلا ہیں کہ وہ باہم متعارض و متناقض ہیں، ان کا یہ وہم ناسخ و منسوخ کے بارے میں ان کی کم علمی اور قرآن کریم اور سنتِ متفق علیہا کی شہادت سے کون سی حدیث واجب العمل ہے، اس کو نہ جاننے کا نتیجہ ہے

نیز اس نے یہ بھی درخواست کی کہ میں مجموعہ کو ''ابواب'' پر تقسیم کروں اور ہر باب میں اس سے متعلق ناسخ و منسوخ احادیث، توجیہاتِ علماء اور استدلالاتِ فقہاء ذکر کروں، اور میرے نزدیک قرآن حکیم، سنتِ نبوی، اجماع امت یا صحابہ و تابعین کے متواتر ارشادات کی روشنی میں جو قول ثابت ہو اس کو دلائل کے ساتھ ذکر کروں، میں نے آنعزیز کی درخواست پر غور کیا اور تلاش و جستجو کے بعد چند ابواب مرتب کئے، جنھیں ''کتاب'' کا عنوان دیا اور ہر کتاب میں اس کے مناسب احادیث ذکر کیں''

امام صاحب کے اس بیان سے ان کی ذمہ داری اور کتاب کے

موضوع کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس مسئلہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف پائی جاتی تھیں امام صاحب ان کے بارے میں بحث فرماتے ہیں۔ اگر چہ امت میں اب اس مسئلہ کے بارے میں کوئی اختلاف باقی نہ رہا ہو۔ کیونکہ ان کے پیش نظر ملحدین کا منہ بند کرنا تھا مثلاً اکسال سے وجوب غسل کا مسئلہ اب اجماعی ہے مگر امام صاحب نے اس سلسلہ میں طویل بحث فرمائی ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں روایات مختلف پائی جاتی ہیں[1]

کتاب کا نام شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ تلمیذ علامہ کوثریؒ نے لکھا ہے کہ معانی الآثار کا ایک قدیم، قابل اعتماد نسخہ مدینہ منورہ میں مکتبہ محمودیہ میں ہے اس پر کتاب کا پورا نام یہ لکھا ہے۔ شرح معانی الآثار المختلفة المأثورة[2] درایۃ بھی یہی نام ہونا چاہئے، اسی سے کتاب کے موضوع کی کماحقہ وضاحت ہوتی ہے مگر چونکہ نام لمبا ہو گیا تھا اس لئے تخفیفاً شرح معانی الآثار کہنے لگے۔ پھر مزید تخفیف کرنے کے لئے صرف معانی الآثار کہا جانے لگا اور ہندوستانیوں نے تو اس کی بھی تکلیف گوارہ نہ کی سیدھا نام "طحاوی شریف" کر دیا۔ اس سے کتاب اور مصنف دونوں کی طرف بیک وقت اشارہ ہو گیا۔

وجہ تسمیہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اثر" کے لغوی معنی "باقی ماندہ" ہیں اور اصطلاح شرع میں

---

(۱) معانی الآثار ص ۳۲ ج ۱ (باب الذی یجامع ولا ینزل) (۲) قواعد فی علوم الحدیث للشیخ ظفر احمد تھانوی قدس سرہ کا حاشیہ ص ۲۰

معتمد قول کے مطابق، مطلقا احادیث کو ''آثار'' کہا جاتا ہے، چاہے وہ مرفوع ہوں یا موقوف، اسی سے شرح معانی الآثار نام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب ہر دو طرح کی احادیث پر مشتمل ہے۔[1]

لہٰذا کتاب کے نام کا مطلب ہوا: وہ کتاب جس میں ان احادیث مرفوعہ اور موقوفہ یعنی صحابہ و تابعین کے ارشادات کی تشریح و تفصیل ہے جو باہم متعارض ہیں پس عام طور پر اس کتاب کو جو فن خلافیات میں سمجھا جاتا ہے وہ درست نہیں، یہ عام غلط فہمی ہے۔

زمانۂ تالیف علامہ عبد القادر قرشی الجواهر المضیئة میں تحریر فرماتے ہیں کہ معانی الآثار امام صاحب کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور آخری تصنیف ''مشکل الآثار'' ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ قلم کی پختگی، استدلال کی متانت، بحث کی سنجیدگی، نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پختہ کار قلم کی اور تجربہ کار مصنف کی ہے۔

کتاب کی اہمیت ''معانی الآثار'' کو حدیث کی کتابوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ فقہ و حدیث کا سنگم ہے، یہ جس درجہ حدیث کی کتاب ہے، اسی درجہ فقہ کی بھی ہے، اکابر علمائے حدیث نے اس کی مدح و تحسین کی ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہری نے اس کو سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے ہم پایہ قرار دیا ہے[2] امیر اتقانی کا بیان ہے کہ اگر کسی شخص کو طحاوی کی عظمتِ شان اور بلند پایگی میں کلام ہو تو اسے معانی الآثار کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ حنفی مذہب کا کیا ذکر، جملہ مذاہب میں

---

(۱) فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ص ۳ طبع مجیدی (۲) ماتمس إلیه الحاجة ص ۲۹

بھی ایسی بے مثال اور بے نظیر کتاب نہیں مل سکتی۔ [۱]

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"امام طحاویؒ کی جملہ تصانیف نہایت عمدہ اور پُر از معلومات ہیں، خصوصا معانی الآ ثار، اگر کوئی منصف مزاج شخص اسکو بغور دیکھے تو وہ اسے حدیث شریف کی تمام مشہور و مقبول کتابوں سے بہتر پائے گا۔ اس کے انداز اور ترتیب میں غور کرنے سے اس کی ترجیح آشکارہ ہو جاتی ہے۔ نادان، ہٹ دھرم اور مخالف ہی اس باب میں شک کرسکتا ہے سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور اس قسم کی دوسری کتابوں پر اس کی فوقیت اور برتری بالکل عیاں ہے، کوئی بھی عقلمند آدمی اس بارے میں شک نہیں کر سکتا ہاں البتہ جہل کا کوئی علاج نہیں

معانی الآ ثار کی یہ فوقیت اس وجہ سے ہے کہ اس میں وجوہِ استنباط اور معارضات کی شکلیں بیان کی گئی ہیں، ناسخ و منسوخ میں امتیاز کیا گیا ہے اور اس قسم کے بہت سے اہم مباحث ہیں اور یہی چیز معرفتِ حدیث کی اصل بنیاد ہے احادیث کی دیگر کتابوں میں یہ چیزیں اتنی نہیں ہیں جتنی ہونی چاہئیں۔ ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے، عیاں راچہ بیاں ؟!

بعض لوگ معانی الآ ثار کی مرجوحیت کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اس کے بعض رجال ضعیف اور بعض مرتبۂ ثقاہت سے گرے ہوئے ہیں اس

---

(۱) کشف الظنون ص ۱۴۶۰ ج ۲ بحوالہ مضمون مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ شائع شدہ در معارف ج ۱۰۰ شمارہ ۶ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ عنوان مضمون "معانی الآ ثار امام طحاوی"

کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی مذکورہ کتابوں کا بھی یہی حال ہے ان کا دامن بھی ایسے رجال سے پاک نہیں ہے بلکہ ان کی بعض روایات کو باطل اور موضوع تک کہا گیا ہے اور ضعیف احادیث کا تو شمار ہی نہیں ــــــ رہی دار قطنی، سنن بیہقی اور دارمی وغیرہ تو ان کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں"

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے نزدیک معانی الآثار تقریباً سنن ابو داؤد کے ہم رُتبہ ہے فرماتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک امام طحاویؒ کی مشہور کتاب "معانی الآثار" سنن ابی داؤد کے قریب قریب ہے۔ کیونکہ اس کے تمام رواۃ مشہور و معروف ہیں گو کہ بعض متکلم فیہ ہیں (مگر ہیں وہ بھی معروف و مشہور) اس کے بعد ترمذی شریف پھر سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے۔[1]

الحاصل معانی الآثار کا مرتبہ سنن اربعہ سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ علامہ ابن حزم اندلسی نے تو اپنی کتاب "مراتب الدیانۃ" میں موطا مالک پر ترجیح دی ہے۔ جبکہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے "عجالۂ نافعہ" میں موطأ مالک کو صحیحین (بخاری و مسلم) کی اصل قرار دیا ہے۔[2] علامہ کوثریؒ نے کتنی سچی بات کہی ہے کہ:

"علم فقہ سیکھنے کے لئے اور ملکۂ اجتہاد پیدا کرنے کیلئے معانی الآثار ایک بے نظیر کتاب ہے معترضین خواہ کتنے ہی اعتراض کرتے رہیں"

گمنامی کی وجہ یہ واقعہ ہے، کہ معانی الآثار کی اہمیت و عظمت عرصۂ دراز تک مخفی رہی۔ اس دور کی دوسری مصنفات پر جس طرح امت کی نگاہِ التفات پڑی، یہ اس طرح کے اعتنا سے محروم رہی، اور

(۱) مقدمہ فیض الباری ص ۵۷ و ۵۸ (۲) مقدمہ انوار الباری

ایک طویل عرصہ تک گوشہ گمنامی میں پڑی رہی اور عام لوگ اس سے بے خبر رہے۔اس کی وجہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ معانی الآثار کی خدمت نہیں ہوئی تھی اور اس کے مضامین عالیہ اور تحقیقاتِ فائقہ نمایاں نہیں ہوئی تھیں اس وجہ سے وہ مخفی خزانوں کی طرح گمنام رہی اور اس پر لوگوں کی نگاہِ التفات نہیں پڑی ان کی پوری بات انہی کے الفاظ میں سنئے۔

"معانی الآثار کا تفوق ابتک لوگوں کی نگاہ سے اس لئے پوشیدہ رہا کہ کتاب خود ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ کان تھی،اسے کوئی ایسی شخصیت نصیب نہیں ہوئی تھی،جو اس کے نوادرات کی نقاب کشائی کرتی اور اس کے عجائب کا پتہ دیتی اس وجہ سے کتاب عرصہ تک منصہ شہود پر جلوہ گر نہ ہوسکی،اور پردہ خفا میں پڑی رہی اس کی گمنامی اتنی دراز ہو گئی تھی کہ اندیشہ لاحق ہو چلا تھا کہ کہیں یہ آفتابِ علم غروب نہ ہو جائے اور یہ ماہتابِ معارف ماند نہ پڑ جائے اور یہ سب نتیجہ تھا متأخرین کی کوتاہ فہمی کا،اور اس سے بے اعتنائی برتتے ہوئے ان کتابوں میں لگ جانے کا جو کسی طرح بھی ان کے لئے مفید نہیں تھیں۔مزید برآں متعصب مخالفین بڑھ بڑھ کر اس پر حملے کر رہے تھے اور پوری جدوجہد کر رہے تھے کسی طرح معانی الآثار لوگوں کے سامنے ہی نہ آئے۔مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے اللہ پاک نے حق کو حق اور باطل کو باطل کر دیا،اور کچھ حضرات کو توفیق دی کہ وہ اس کی خدمت کریں اور اس کے محاسن و مناقب کو اجاگر کریں یہ

کام ہوتے ہی معانی الآثار کی فضیلت و فوقیت لوگوں کے سامنے آگئی"

امام صاحب کی تصانیف کا رنگ

امام صاحب کے دور کی تصنیفات کا وہ رنگ قطعاً نہیں ہے، جو ہمیں امام صاحب کی تصنیفات میں نظر آتا ہے اس دور کی درجنوں کتابیں آج موجود ہیں۔ صحاح ستہ، دارمی، مسند احمد، سنن ابو داؤد طیالسی، مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یا تو صرف تخریج احادیث پر اکتفا کی گئی ہے یا زیادہ سے زیادہ ابواب قائم کردئے گئے ہیں۔ بحث و تمحیص اور تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ لیکن امام صاحب کی تمام تصنیفات نقد و نظر اور رد و قدح پر مشتمل ہیں وہ ہر موضوع سے متعلق تمام مرفوع، موقوف، مرسل، منقطع، آثار سلف اور اکابرِ امت کی آراء جمع کرتے ہیں اور ان کی چھان بین کر کے مسئلہ نکھارتے ہیں۔ امام صاحب کی تصنیفات میں یہ نرالا رنگ کیوں ہے؟ علامہ محمد زاہد الکوثری اسکی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں۔

"روایات کا حصۂ وافر جمع کرنے کا سبب وہ ضرورتِ شدیدہ تھی جو امام طحاوی رحمہ اللہ کو اپنے نئے انداز تفقہ میں پیش آئی تھی، ان کے لئے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ ہر موضوع سے متعلق تمام مرفوع، موقوف، مرسل اور منقطع روایات نیز آثار سلف اور اکابر امت کی آراء مختلف طرح کی اسانید سے جمع کریں، اور ان کی چھان بین کر کے اصل حقیقت کا سراغ لگائیں، کیونکہ جو شخص روایات جمع کرنے میں کوتاہی کرتا ہے اور صرف ان روایات پر قناعت کرتا ہے جنھیں وہ صحیح سمجھتا ہے تو وہ علم کا واجبی حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ روایات کم و بیش

ہونے میں، روایت باللفظ یا روایت بالمعنی ہونے میں اور اختصار کر کے روایت کرنے میں مختلف مرتبے کی ہوتی ہیں۔ لہذا ایک متلاشی حق کا دل اس وقت تک مطمئن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تمام احادیث کو مع فقہائے صحابہ و تابعین کی آراء کے چھان بین نہ کرلے

امام طحاویؒ نے اپنی تالیفات میں یہی طریقہ اپنایا ہے۔ ان کے علم کی گیرائی و گہرائی نے ان کو اس ہمت شکن بوجھ کے اٹھانے کے قابل بنادیا ہے اور اسی نے ان کے مخالفین کو سیخ پا کردیا ہے"

امام صاحب کی تصانیف کن خدمات کی محتاج ہیں؟

الحاصل امام صاحب نے ایک نیا نہج اپنایا ہے، جس کے وہ خود موجد ہیں اور جب کوئی نیا اندازِ نگارش اختیار کیا جاتا ہے ـــــ اور خاص طور پر جبکہ مسئلہ علمی اور تحقیقی بھی ہو ـــــ تو لازما مصنف کا دامن یا تو اطناب مُمِل سے الجھ جاتا ہے یا ایجاز مُخِل سے۔ معانی الآثار کے قاری کو تقریبا ہر صفحہ میں ان دونوں باتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ امام صاحب کبھی تو ایک ایسی بات کو جو چند سطروں میں کہی جاسکتی ہے، پورے صفحہ میں پھیلاتے ہیں یا چند جملوں میں کہی جاسکتی ہے مگر اسے کئی سطروں میں بیان فرماتے ہیں۔ اور بعض مرتبہ اتنا اختصار کرتے ہیں کہ صرف اشارے باقی رہ جاتے ہیں بلکہ کبھی تو کانٹے کی بات بیان کرجاتے ہیں مگر قاری اس کو اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے معمولی بات سمجھ کر بغیر مدعیٰ پائے آگے بڑھ جاتا ہے۔

ان وجوہ سے امام صاحب کی کتابیں دو خدمتوں کی محتاج ہیں:

(۱) جہاں اطناب ہے، وہاں تلخیص واختصار کرکے بات کا خلاصہ اور نچوڑ نکالا جائے تاکہ بات قاری کے پلّے پڑے۔

(۲) جہاں اختصار یا صرف اشارے ہیں وہاں تشریح وتبیین اور وضاحت کی جائے تاکہ قاری مصنف کا مدعٰی اور مقصد پاسکے۔

جب تک یہ دو خدمتیں نہ ہونگی امام صاحب کی کتابوں سے کماحقہ استفادہ نہیں کیا جاسکے گا۔

علاوہ ازیں ایک تیسری وجہ ــــــ جس نے امام صاحب کی کتابوں سے استفادہ مشکل کر دیا ہے ــــــ طباعتی اغلاط ہیں۔ مشکل الآثار ہو یا معانی الآثار تصحیح کے اعتناء سے محروم ہیں اور اس محرومی کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کی کتابوں سے ان کے اہل وطن نے عرصہ تک متعصبانہ رویہ اپنائے رکھا۔ مصر جو علوم ومعارف کی بڑی منڈی ہے، اس نے ماضی قریب تک امام صاحب کی کسی کتاب کا کوئی ایک ورق بھی شائع نہیں کیا، امام صاحب کی جو بھی کتابیں طبع ہوئیں وہ ہندوستان میں طبع ہوئیں اور ہندوستان میں چونکہ وہ نسخے نہیں آئے جو اساتذۂ فن کی نگاہوں سے گزر چکے تھے، بلکہ ان کی نقلیں آئیں، اس لئے وہ صحت کے اعتبار سے ناقص تھے، اور وہ یہاں اسی طرح طبع ہوگئے۔

ادھر یہ واقعہ ہے کہ علم وفن کی کتابوں میں اگر معمولی اغلاط بھی رہ جائیں تو استفادہ کے لئے سد راہ بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمادیں مولانا حکیم محمد ایوب صاحب سہارنپوری کو کہ انھوں نے رجال سے متعلق تصحیفات کو مع تصحیحات شائع فرمادیا مگر متن کی تصحیح کا کام ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔

ایک معمولی مگر اہم کام

معانی الآثار اگرچہ فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے مگر امام صاحب بہت سی جگہ کسی مناسبت سے بحث کے ضمن میں ایسی احادیث لے آتے ہیں، جن کا باب سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا، ان غیر محل میں آئی ہوئی روایات کی ایک فہرست مرتب ہونی چاہئے تاکہ تلاش میں سہولت ہو مثلاً۔

(۱) حدیث المسلم لاینجس پانی کی طہارت و نجاست کے بیان میں آئی ہے۔

(۲) مسجد نبوی میں ایک دیہاتی کے پیشاب کرنے کی حدیث بھی پانی کی طہارت و نجاست کے بیان میں آئی ہے۔

(۳) نماز فجر میں قرأت کی حدیثیں فجر کے وقت کے بیان میں آئی ہیں۔

(۴) مغرب و عشاء کی جماعت اور فجر و جمعہ سے تخلف کی وعید، مغرب و عشاء کے فضائل اور قنوت کے معنی متعین کرنے والی حدیثیں "صلوٰۃ وسطیٰ" کے باب میں لائی گئی ہیں۔

(۵) اقتدائے مفترض خلف المتنفل کی روایت نماز مغرب کے وقت کے بیان میں آئی ہے۔

(۶) حدیث لیلینی منکم أولو الأحلام والنہی، باب التکبیر عند الرکوع والسجود میں لائے ہیں۔

(۷) تشہد و سلام کی احادیث، رکوع و سجود کے اذکار کے بیان میں لائے ہیں۔

(۸) شعبان و رمضان میں بے ہوش ہو جانے کی روایات باب الشك في الصلوٰة میں لائے ہیں۔ اسی طرح پوری کتاب میں بہت سی احادیث غیر محل میں ذکر کی گئی ہیں۔ جن کا معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔

معانی الآثار کی خصوصیات

معانی الآثار بیشمار خصوصیات پر مشتمل ہے، ان کا استقصاء مشکل ہی نہیں بلکہ متعذر ہے۔ ہم ذیل میں اسکی چند خصوصیات اور محاسن ذکر کرتے ہیں۔

(۱) معانی الآثار میں بہت سی ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔

(۲) امام صاحب احادیث کو بکثرت اسانید سے روایت کرتے ہیں اس وجہ سے وہ احادیث بھی جو دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ معانی الآثار میں اہم فوائد پر مشتمل نظر آتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) اسانید کے تعدد کی وجہ سے حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

(۲) دوسری کتابوں میں حدیث ضعیف سند سے مروی ہوتی ہے اور معانی الآثار میں اس کی قوی سند مل جاتی ہے۔

(۳) دوسری کتابوں میں حدیث کی ایک سند ہوتی ہے اور یہاں متعدد، جس کی وجہ سے محدث کو بہت سے نکات اور فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۴) دوسری کتابوں کی سند میں تدلیس ہوتی ہے یعنی سماع کی تصریح نہیں ہوتی مگر معانی الآثار میں سماع کی صراحت ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے تدلیس کا ضعف مرتفع ہو جاتا ہے۔

(۵) دوسری کتابوں میں اس راوی کی حدیث ہوتی ہے جس نے استاذ سے اختلاط کے زمانے میں پڑھا ہے اور معانی الآثار میں اس راوی کی حدیث ہوتی ہے جس نے اختلاط سے پہلے پڑھا ہے۔

(۶) دوسری کتابوں میں حدیث مرسل، منقطع یا موقوف ہوتی ہے مگر معانی الآثار میں وہ متصل یا مرفوع ہوتی ہے۔

(۷) معانی الآثار میں راوی کی نسبت مذکور ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی شناخت آسان ہو جاتی ہے جب کہ دوسری کتابوں میں اس کی نسبت مذکور نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ راوی دوسری کتابوں میں مبہم ہوتا ہے اور یہاں اس کا نام مذکور ہوتا ہے یا راوی مشتبہ ہوتا ہے اور یہاں اس کی تمیز ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی تعیین آسان ہو جاتی ہے۔

(۸) جو حدیث دوسری کتابوں میں مجمل ہوتی ہے یہاں اس کی تفسیر مل جاتی ہے یا حدیث کا سبب ورود مذکور ہوتا ہے۔

(۹) راوی کا صحابی سے دو مرتبہ حدیث سننا مذکور ہوتا ہے، کبھی بطور مرفوع اور کبھی بطور موقوف یا تابعی سے دو مرتبہ حدیث سننے کا تذکرہ ہوتا ہے کبھی بطریقِ موصول اور کبھی بطریقِ مرسل جس کی وجہ سے راویوں کا اضطراب اور رفع و وصل کا شک دور ہو جاتا ہے۔

(۳) معانی الآثار میں متونِ حدیث کے سلسلہ کے بے شمار فوائد پائے جاتے ہیں مثلاً مجمل کی تفسیر مختصر کی تفصیل اور مطلق کی تقیید وغیرہ۔

(۴) معانی الآثار میں بکثرت صحابہ و تابعین کے آثار اور ائمہ سلف کے اقوال مل جاتے ہیں جس سے عام طور پر کتابیں خالی ہیں۔

(۵) امام صاحب بکثرت، احادیث و رجال سے متعلق ائمہ فن کے فیصلے نقل کرتے ہیں، جن کی اہمیت اور ضرورت میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) امام صاحب احادیث سے ایسے دقیق استنباطات فرماتے ہیں جن کی طرف اذہان بہت کم متوجہ ہوتے ہیں۔

⑦ معانی الآثار میں احناف کے دلائل کے ساتھ دوسرے مجتہدین کے دلائل بھی سیر چشمی کے ساتھ ذکر کیئے گئے ہیں، کسی طرح کا بخل روا نہیں رکھا گیا۔

⑧ معانی الآثار میں صرف احادیث کی تخریج پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ تمام اخبار و آثار پر اسناد و متن اور روایت و درایت کے اعتبار سے بحث کرکے ایک واضح نتیجہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب ملکہ تفقہ پیدا کرنے کیلئے اور اجتہاد کے معالم طریق واضح کرنے کے لئے ایک بے نظیر دلیل و راہنما بن گئی ہے۔

⑨ معانی الآثار کا ہر باب ایک علمی رزمگاہ اور میدان مناظرہ ہے ہر باب کا موضوع مختلف نظریات اور آراء کو پیش کرنا، ان پر دلائل قائم کرنا پھر کسی ایک رائے کو ترجیح دینا ہے مگر امام صاحب کا کمال یہ ہے کہ کسی جگہ کسی شخص کی توہین نہیں کی، وہ احترام کے پورے جذبے کے ساتھ ہر فریق کا نظریہ پیش کرتے ہیں اور دل کھول کر اس کے دلائل ذکر کرتے ہیں پھر کمال سنجیدگی سے اس کا رد کرتے ہیں جب کہ امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر محدث کی کتاب بعض الناس کی پھبتی سے پاک نہیں اور امام ترمذیؒ جیسے نرم مزاج اور روادار کی کتاب اصحاب الرای کی چوٹ سے خالی نہیں مگر امام صاحب کی کتاب بحمد للہ! اس عیب سے پاک ہے، جو انکی بے نفسی، نیک نیتی اور پاک باطنی کی بہت بڑی شہادت ہے بلکہ امام صاحبؒ نے اس بات کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ پوری کتاب میں مخالف نظریہ رکھنے والوں کا نام تک نہیں لیا بلکہ ذہب قوم کی تعبیر اختیار فرمائی ہے پھر اپنے حضرات کو بھی اسی لفظ سے یاد کیا ہے تاکہ اس لفظ میں کسی قسم کی بدنمائی پیدا نہ ہونے پائے۔

ترجیح حدیث کا حکیمانہ اصول

یعنی

نظرِ طحاوی

امام طحاوی علیہ الرحمہ کے نزدیک ترجیح حدیث کا وہ معیار نہیں ہے جو دیگر مجتہدین عظام اور محدثین کرام کے یہاں ہے۔ امام صاحب کا معیار ان کے معیار سے بہت کچھ مختلف ہے اس کو نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں کو عام طور پر اور امام ابن تیمیہ کو خاص طور پر یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ امام طحاوی اپنی رائے اور قیاس سے احادیث کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ لے یہاں تک بڑھی کہ "اصحاب الرائی" اور "اہل الرائی" کی پھبتی کسی جانے لگی۔ (۱) اس لئے ضروری ہے کہ قدرے تفصیل سے گفتگو کی جائے۔

(۱) خیال رہے کہ "اصحاب الرائی" درحقیقت صفتِ مدح ہے جسے کرم فرماؤں نے ذم سے بدل دیا ہے۔ یہ درحقیقت امام اعظمؒ، ان کے تلامذہ اور ان کے متبعین کو، امت کا دیا ہوا معزز لقب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصوص مسائل اور الجھے ہوئے معاملات میں قابل اعتناء رائے امام اعظم اور ان کے اصحاب ہی کی ہے، یہی حضرات صائب الرائی ہیں مگر بر خود غلط قسم کے لوگوں نے نہ صرف اس معزز لقب کو بدنما کرنے کی کوشش کی بلکہ اس کا اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں سے اس کا صحیح مطلب اوجھل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ کو کہ انھوں نے "الخیرات الحسان" میں اس پروپیگنڈے کا پردہ چاک کر کے رکھدیا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس موضوع پر علامہ محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے ''الحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی'' میں سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے، ہم اسی کو شرح و تبیین کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں۔ علامہ تحریر فرماتے ہیں۔

''امام طحاوی علیہ الرحمہ ترجیح احادیث کیلئے ایک حکیمانہ انداز اختیار کرتے ہیں، صرف رجال کی تنقید پر اکتفاء نہیں کرتے''

ترجیح روایات کیلئے رجال سند پر گفتگو محدثین کا ایک بندھا ٹکا ضابطہ ہے۔ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بھی صرف سند سے سروکار رکھتے ہیں لیکن امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کا طریقہ ان سے مختلف ہے، امام مالکؒ کے نزدیک زیادہ اہمیت ''تعامل مدینہ'' کی ہے اگر صحیح حدیث نہ بھی ہو مگر اہل مدینہ کا تعامل موجود ہو تو وہ ان کے نزدیک کافی دلیل ہے اور احناف اور امام طحاوی علیہ الرحمہ کے نزدیک معیار ترجیح یہ ہے:

''وہ پہلے منصوص احکام کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتے ہیں اور متفرق فروع کی ہمہ گیر اور جامع بنیاد نکھارتے ہیں''۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا)

اسی طرح کا ایک پروپیگنڈہ یہ بھی ہے کہ ''امام اعظمؒ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے'' اس پروپیگنڈے کی حقیقت یہ ہے کہ امام اعظمؒ کی حدیث شریف میں سترہ مسانید ہیں اور یہ امام صاحب کی وہ منقبت ہے جس میں نہ کوئی محدث ان کا شریک ہے نہ کوئی مجتہد، بھلا اتنی بڑی منقبت چشم خوار کو کہاں گوارہ ہوتی، اس لئے اس مدح کو بھی ذم سے بدل دیا۔ امام صاحبؒ کی ان سترہ مسانید کو خوارزمی نے ''مسانید الامام الاعظم'' میں مدون کیا ہے۔

اور اس کے لئے تنقیحاتِ ثلاثہ سے کام لیا جاتا ہے جو یہ ہیں (۱) تخریج مناط (۲) تنقیح مناط (۳) تحقیق مناط، مناط (علت) اس وصف کو کہتے ہیں جو حکم کا مدار علیہ اور باعث ہوتا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ نے فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم کے مقدمہ (ص۸۹ ج۱) میں ان تنقیحاتِ ثلاثہ کی جو تعریفات لکھی ہیں وہ بالترتیب درجِ ذیل ہیں۔

(۱) تخريج المناط: إبداء ما نيط به الحكم أى استنباطه وتعيينه بإبداء مناسبة بينه وبين الحكم، مع الاقتران بينهما، والسلامة من القوادح، كاستنباط الإسكار فى حديث مسلم: "كل مسكر حرام"

"تخریج مناط اس وصف کو ظاہر کرنے کا نام ہے جس کے ساتھ حکم متعلق ہے یعنی اس کو پردۂ خفا سے باہر لانا اور اس کو حکم کا مدار علیہ بتانا، یہ ثابت کر کے کہ اس کے اور نص کے حکم کے مابین مناسبت ہے اور دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور اس کے وصف ہونے کیلئے کوئی چیز معارض نہیں ہے جیسے مسلم شریف کی حدیث کل مسکر حرام (ہر نشہ آور چیز حرام ہے) میں حکم کا مدار علیہ وصف اسکار (مدہوش ہونا) ہے"

(۲) تنقيح المناط عندهم: أن يدل نص ظاهر على التعليل بوصف، أو يكون أوصاف فى محل الحكم، دل عليها ظاهر النص، فيجتهد الناظر فى حذف خصوص الوصف أو بعضها وينيط الحكم بالأعم أو بالباقى، وحاصله: الاجتهاد فى الحذف

والتعیین، ویمثل له بحدیث الأعرابی الذی واقع امرأته۔

"تنقیح مناط اصولیوں کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کسی جگہ نص بظاہر کسی وصف پر دلالت کرے یا محل حکم میں کئی امکانی اوصاف ہوں جن پر نص دلالت کرتی ہو تو وہاں مجتہد یہ غور کریگا کہ آیا نص جس وصف پر دلالت کرتی ہے اس کو باقی رکھے یا اس کو ختم کر کے عام علت پر حکم کا مدار رکھے نیز امکانی اوصاف میں سے کن کن کو حذف کرے اور کس کو باقی رکھے الحاصل تنقیح مناط حذف وتعیین میں جدوجہد کرنے کا نام ہے۔اور اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں ایک دیہاتی نے رمضان المبارک کے روزے کی حالت میں جان بوجھ کر اپنی بیوی سے صحبت کی تھی اور آنحضور ﷺ نے ان کو کفارے کا حکم دیا تھا"

(یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ کفارے کی علت آیا جماع ہے جیسا کہ نص سے بظاہر سمجھ میں آتا ہے یا مطلق مُفْطِر کا پایا جانا ہے خواہ وہ جان بوجھ کر جماع ہو یا کھانا پینا؟)

(۳) **تحقیق المناط**: وھو ان یقع الاتفاق علی علیة وصف بنص أو إجماع، فیجتھد الناظر فی وجودہ فی صورة النزاع، التی خفی فیھا وجود العلة، کتحقیق: أن النباش سارق؟ فالوصف — وھو السرقة — علم انه مناط الحکم وبقی النظر فی تحقیق وجودہ فی ھذہ الصورة.

"تحقیق مناط یہ ہے کہ نص یا اجماع سے کسی وصف کے علت ہونے پر تو اتفاق ہے مگر مجتہد یہ غور کرتا ہے کہ آیا وہ وصف مسئلہ زیر بحث

میں بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ نزاعی صورت میں علت کا پایا جانا مخفی ہے مثلاً کفن چور، چور ہے یا نہیں؟ یہاں یہ تو متعین ہے کہ ”چوری“ حکم قطع ید کا مدار علیہ ہے مگر غور طلب بات یہ ہے کہ کفن چور میں یہ علت متحقق ہے یا نہیں؟

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی بیان فرمودہ مذکورہ بالا تعریفات سے یہ وہم نہ ہو کہ یہ تینوں تنقیحات علحدہ علحدہ ہیں، ایک جگہ مجتمع نہ ہوں گی بلکہ کبھی یہ تینوں ایک ساتھ بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ مجتہد پہلے نص کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتا ہے اور منصوص حکم کے لئے امکانی اوصاف کی ”تخریج“ کرتا ہے پھر ”تنقیح“ کر کے ان میں سے حقیقی وصف کو متعین کرتا ہے اور اس پر غیر منصوص مسائل کی تفریع کرتا ہے اس تفریع مسائل کا نام ”تحقیق مناط“ ہے یعنی وصفِ حقیقی جہاں جہاں پایا جائے وہاں نص کا حکم ثابت کرنے کا نام ”تحقیقِ مناط“ ہے۔

مثلاً یہ مسئلہ کہ وضو کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟ نص قرآنی اس سلسلہ میں یہ ہے۔

أو جآء احد منکم من الغآئط (النساء ۴۳ المائدہ ۶) اگر تم میں سے کوئی نشیبی جگہ (بیت الخلاء) ہو آئے (تو وضو ٹوٹ جائیگا)

اس آیت میں وضوء ٹوٹنے کی امکانی علتیں درج ذیل ہوسکتی ہیں

(۱) بیت الخلاء جانے کا ارادہ کرنا (۲) استنجے کا تقاضا ہونا (۳) جانا (۴) بیت الخلاء میں ٹھیرنا (۵) ستر کھولنا (۶) سبیلین سے نجاست کا نکلنا (۷) صرف آگے سے یا صرف پیچھے سے نجاست کا نکلنا (۸) بدن پر نجاست کا دکھائی

دینا(۹) بدن سے کہیں سے بھی بہنے والی نجاست کا نکلنا۔

احناف نے ان امکانی اوصاف میں غور کر کے فیصلہ کیا کہ "نجاست کا بدن سے نکل کر بہہ جانا" حقیقی علت اور مؤثر وصف ہے۔ چنانچہ انھوں نے دوسرے تمام اوصاف کو اَلقَط کر دیا۔ ان کے نزدیک سبیلین کو نقضِ وضو میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بدن کے کسی بھی حصہ سے نجاست نکل کر بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائیگا یہ ایک جامع ضابطہ ہے جو نص سے اخذ کیا گیا ہے۔

"اب اگر کسی راوی کی روایت سے کوئی ایسا حکم مفہوم ہوتا ہے جو اس کی ان نظائر سے مختلف ہے جو شریعت میں موجود ہیں، تو یہ چیز اس کی روایت قبول کرنے کیلئے رکاوٹ بن جائے گی، کیونکہ وہ ہمہ گیر بنیاد جو گوناگوں فروع و نظائر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، بمنزلہٗ "متواتر" کے ہے، اس لئے تنہا کسی ایک راوی کا کھلی مخالفت کرتے ہوئے اس کے خلاف حکم بیان کرنا اسے قابلِ اعتناء باقی نہیں رکھتا"۔

مثلاً محمد بن اسحاق، صدقہ بن یسار سے اور وہ عقیل بن جابر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے لئے نکلے، جنگ کے دوران ایک مسلمان کے ہاتھ سے ایک مشرک کی بیوی ماری گئی۔ اس مشرک نے قسم کھائی کہ جب تک اپنی بیوی کا بدلہ نہ لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا جب اسلامی فوج واپس ہوئی تو اس نے لشکر کا پیچھا کیا راستہ میں کسی منزل پر قیام ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ آج رات پہرہ کون دیگا؟ ایک

انصاری اور مہاجری اس خدمت کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں ہدایت دی کہ گھاٹی کے دہانے پر جا کر ٹھرو۔

جب دونوں پہرے دار گھاٹی کے دہانے پر پہنچ گئے تو مہاجر صحابی آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور انصاری صحابی نماز میں مشغول ہو گئے وہ مشرک پیچھا کرتا ہوا یہاں پہنچا، اس نے دور سے کسی کی پر چھائیں دیکھی اور اندازہ لگایا کہ ضرور یہ کوئی پہرہ دار ہے۔ اس لئے اس نے تیر مارا جو صحیح نشانہ پر بیٹھا، مگر ان صحابی نے نماز ہی میں اسے جسم سے نکال کر پھینک دیا۔ اس نے پے در پے تین تیر مارے جو سب لگے۔ پھر ان صحابی نے رکوع سجدہ کر کے نماز پوری کی اور اپنے ساتھی کو بیدار کیا۔ جب اس مشرک کو اندازہ ہوا کہ چوکیدار چوکنا ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

مہاجر صحابی نے دیکھا کہ ان کے انصاری بھائی کا برا حال ہے، وہ خون میں لت پت ہے کہنے لگے کہ سبحان اللہ! پہلا تیر لگتے ہی مجھے کیوں نہ اٹھادیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں سورۂ کہف پڑھ رہا تھا جسے درمیان میں چھوڑنا کسی طرح گوارا نہ ہوا، مگر پھر خیال آیا کہ میں اسی طرح تیر کھاتا کھاتا نماز ہی میں چل دیا اور تم سوتے رہ گئے تو حضور پاک ﷺ نے جو چوکیداری کا حکم دیا تھا اس میں کوتاہی ہو گی (اس لئے بادل ناخواستہ نماز پوری کر کے تمھیں بیدار کیا)

یہ حدیث امام ابوداؤد نے باب الوضوء من الدم میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اسکی تصحیح کی ہے۔ امام بخاری نے تعلیقا بصیغہ تمریض (یذکر

عن جابر) باب من لم یر الوضوء إلامن المخرجین میں ذکر کی ہے۔ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ اس حدیث کی بس یہی ایک سند ہے اور اس کے راوی محمد بن اسحاق متکلم فیہ ہیں، ان کے استاذ صدقہ تو خیر، لیکن استاذ الاستاذ عقیل مجہول ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے صرف یہی ایک صدقہ ہیں۔ دوسرا کوئی راوی ان سے روایت کرنے والا نہیں۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، ان کے نزدیک سبیلین کے علاوہ بدن سے نکلنے والی نجاست ناقض وضو نہیں ہے، بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک تو سبیلین سے بھی معتاد نجاست کا نکلنا ناقض وضو ہے، خون کا نکلنا ناقض نہیں ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ انصاری صحابیؓ کا خون بہتا رہا اور وہ نماز پڑھتے رہے۔ اگر خون ناقض وضو ہوتا تو نماز خود بخود ٹوٹ جاتی؟ ـــــ احناف کے نزدیک کسی بھی نجاست کا جسم سے نکلنا ناقض وضو ہے، اور وہ اس حدیث کو صحابی کے عشقِ قرآن کا مظہر قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اس حدیث سے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے کہ اس کی سند کمزور ہے اور وہ اس ہمہ گیر اور جامع اصول کے خلاف ہے جو قرآن کریم کے گہرے مطالعہ سے منقح ہوا ہے اگر یہ حدیث اس اصل کے مخالف نہ ہوتی تو، سند کی کمزوری کے باوجود، قابل عمل ہوتی کیونکہ احناف کے نزدیک ضعیف حدیث بھی رائے سے مقدم ہے۔

علامہ کوثریؒ نظر طحاوی کی توضیح کرتے ہوئے مزید تحریر فرماتے ہیں

"امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حکیمانہ اصول کو اپنی تصنیفات

میں بڑی خوبی سے برتا ہے۔ اور یہ قیاس کی روشنی میں ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا نہیں ہے (جیسا کہ امام ابن تیمیہ گمان کرتے ہیں)

"بلکہ یہ دوسرے منصوص احکام کی روشنی میں، جو بمنزلۂ متواتر ہیں، ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا ہے"

علامہ کوثری مزید ارقام فرماتے ہیں۔

"امام طحاوی رحمہ اللہ صرف رجال پر تنقید نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ناقدین کے درمیان جرح و تعدیل کے سلسلہ میں شدید اختلاف ہے حتیٰ کہ مشہور راویوں کے بارے میں بھی مختلف باتیں سامنے آتی ہیں۔ اس وجہ سے کرابیسی، ابن ابی خیثمہ ابن معین اور ابن مدینی وغیرہ ناقدین کی کتابوں میں ـــــ جنھوں نے اجلۂ رواۃ پر زبانِ طعن کھولی ہے ـــــ غیر سنی چالاک متکلموں کو وہ مواد ہاتھ آ گیا ہے جس کے ذریعے وہ بڑے بڑے جلیل القدر راویوں کی روایات کو معلول ٹھیرا دیتے ہیں۔ ابو القاسم کعبی اور صاحب ابن العباد کی کتابوں سے یہ بات بخوبی آشکارا ہے"

نقد رواۃ میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جرح و تعدیل رواۃ کے اعمال و افعال سے منتزع کی جاتی ہے۔ کیونکہ کسی کی نفس الامری حالت کا تو کسی بھی ناقد کو پتہ نہیں، جو جرح یا تعدیل کی جاتی ہے وہ راویوں کے افعال و اطوار دیکھ کر ہی کی جاتی ہے بنا بریں اختلاف اس لئے ہوتا ہے کہ راوی کا ایک فعل ایک ناقد کے نزدیک قابل جرح ہوتا ہے اور

دوسرے کے نزدیک قابل جرح نہیں ہوتا مثلاً ایک صاحب کسی محدث کا شہرہ سنکر ان سے حدیث لینے گئے جب وہ انکے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ محدث خالی توبڑہ لے کر، گھوڑے کو دکھارہے ہیں تاکہ اس کو پکڑیں۔ یہ منظر دیکھ کر وہ آنے والے صاحب فوراً واپس لوٹ گئے اور فرمایا کہ ''جو بے زبان جانور کو دھوکہ دے سکتا ہے اس کی روایت کا کیا اعتبار؟''

دیکھئے، ان صاحب نے اپنے تشدد کی وجہ سے یا غایتِ احتیاط کی وجہ سے محدث کے مذکور فعل سے جرح منتزع کی اور ان کی مرویات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا جبکہ غیر متشدد ناقد اس فعل سے جرح منتزع نہیں کرے گا۔ اس کے نزدیک جانور کو پکڑنے کے لئے گھاس چارہ دکھانا یا خالی توبڑہ یا ٹوکرہ دکھانا چونکہ عرف عام میں دھوکہ دینا شمار نہیں کیا جاتا اس لئے اس کا یہ فعل قابل عفو ہوگا اور وہ یہ فعل دیکھنے کے بعد بھی اس کی تعدیل کرے گا۔

نقد رواۃ میں اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ راوی کے افعال کے مشاہدے میں ناقدین کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ ایک ناقد راوی کے ان افعال کا مشاہدہ کرتا ہے جو ''نیک'' ہیں اس لئے وہ ان سے تعدیل منتزع کرتا ہے اور دوسرا ناقد اسی راوی کے ''برے'' اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے اس لئے وہ جرح کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

نیز معاصرانہ چشمک، فروعی مذاہب کا اختلاف اور اس سلسلہ میں برتا جانے والا تعصب بھی جرح و تعدیل میں اختلاف کے بڑے عوامل ہیں۔

پھر ان ناقدین کے بعد جو کوئی بھی راویوں کے متعلق گفتگو کرے گا،

انہی کے اقوال کو مبنیٰ بنا کر گفتگو کرے گا۔اور انہی کا حوالہ دے گا۔اس وجہ سے اختلاف برابر باقی رہے گا۔اب ترجیح کی صورت بس یہی ہو گی کہ متأخرین میں سے جس کسی کو جس امام کے ساتھ حسن عقیدت ہو گی اس کی بات کو وہ ترجیح دیگا اور اسی کی اتباع کریگا لیکن ظاہر ہے کہ ایک کا اعتقاد دوسرے کے حق میں واجب اللحاظ نہیں پھر فیصلہ کیونکر ہو؟اور کس ناقد کے قول کو "قولِ فیصل" قرار دیا جائے؟

"الغرض امام طحاوی علیہ الرحمہ اس قسم کے کمزور نقد پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اس راستہ پر چلے ہیں جسے تمام احناف نے اپنایا ہے یعنی یہ دیکھا جائے کہ روایت میں بیان ہونے والا حکم اس کی نظائر کے موافق ہے یا مخالف؟اور اس پر فیصلہ کا مدار رکھا جائے۔اس پہلو سے صرف نظر نہ کی جائے"

ظاہر ہے کہ یہ بات صرف رجال سند پر تنقید سے معلوم نہیں ہو سکتی اس کیلئے درایت کی ضرورت ہو گی اور احکام کی بنا کا پتہ چلانا پڑے گا۔یہ کام اگرچہ جاں گسل ہے مگر کس قدر مفید ہے اس کو علامہ کوثری علیہ الرحمہ سے سنیے۔

"یہ نقد کا بہت عمدہ طریقہ ہے،جسے متاخرین نے یکسر فراموش کر دیا ہے مگر طحاوی علیہ الرحمہ کی تمام کتابوں میں آپ کو یہ طریقہ اپنی تمام تابناکیوں کے ساتھ جلوہ فرما نظر آئے گا۔وہ دورانِ بحث اس اصل کی اس قدر رعایت ملحوظ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی فقہ کا طالب علم اس کی ٹوہ میں رہے تو اس کی استعداد راسخ ہو جائے گی اور اس کی

صلاحیتوں کو چار چاند لگ جائیں گے"

شکر کا مقام ہے کہ متاخرین نے جس بات کو بھلا دیا تھا، دارالعلوم دیوبند نے اسے زندہ کر دیا ہے۔ دارالعلوم میں درسِ حدیث اسی حکیمانہ اصول کی روشنی میں دیا جاتا ہے، جب علامہ سید رشید رضا مصری دارالعلوم میں تشریف لائے تھے تو ایک خیر مقدمی جلسہ میں محدث عصر علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے دارالعلوم کے درس حدیث کی یہی خصوصیت بیان فرمائی تھی اور اس حکیمانہ نہج کی نہایت عمدہ وضاحت فرمائی تھی۔ جس سے علامہ رشید رضا صاحب بے حد متأثر ہوئے تھے اور ان کے انداز سے آشکارا ہوتا تھا کہ یہ ان کے لئے بالکل نئی بات ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور اس سے ہم آہنگ مدارس میں امام طحاوی علیہ الرحمہ کی تمام کتابوں کی طرف عموماً اور شرح معانی الآثار کی طرف خصوصاً نگاہِ التفات رہتی تھی۔ نہایت اہتمام سے اس کا درس دیا جاتا تھا، شرحیں لکھی جاتی تھیں اور اس کے رجال پر محنت کی جاتی تھی مگر ان اسلاف کے اخلاف میں وہ اہتمام باقی نہیں رہا۔ اس حکیمانہ نہج کو تو ابھی خیر باد نہیں کہا گیا مگر معانی الآثار پھر بے اعتنائی کا شکار ہو گئی ہے۔ اس کی تعلیم بس برائے نام رہ گئی ہے، جسے کسی طرح فال نیک نہیں کہا جا سکتا، مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مؤلف انوار الباری کا مشورہ اس سلسلہ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

"آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ "معانی الآثار" ہمارے دورۂ حدیث کا باقاعدہ جزو بن کر، اس کا درس، بخاری و ترمذی کی طرح

پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ دیا جائے، اگر ملک مؤید کے زمانہ میں اس کے درس کا اہتمام ضروری تھا تو آج بھی اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ **کما لایخفی علی أهل العلم والبصیرۃ**

اگر معانی الآثار کا درس اس کی شروح کو سامنے رکھ کر دیا جائے، طلبۂ حدیث کو ہدایت ہو کہ **الجوهر النقی**، جامع مسانید امام اعظم، کتبِ امام ابی یوسف وکتب امام محمد، **عمدۃ القاری**، **عقود الجواهر المنیفة** وغیرہ کا لازمی طور سے خارج اوقاتِ درس میں مطالعہ کریں، اور جہاں ضرورت ہو اساتذہ سے رجوع کریں، تو ہمارے طلبہ صحیح معنی میں عالم حدیث ہو کر نکلیں، اور جو کمی آج محسوس ہو رہی ہے اس کا ازالہ ہوسکتا ہے" (مقدمہ انوار الباری ص ۲۷ ج ۲)

بات کچھ دور جا پڑی۔ آیئے علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ کی بات سنئے وہ فرماتے ہیں:

"امام طحاویؒ کا یہ انداز کچھ اس بنا پر نہیں تھا کہ وہ رجال کے احوال سے بے خبر تھے، بلکہ راویان حدیث کے بارے میں ناقدین نے جو کچھ کہا تھا وہ سب ان کی نوکِ زبان تھا۔ جب وہ اپنی کتابوں میں متعارض احادیث پر گفتگو کرتے ہیں تو اسماء الرجال کے سلسلہ میں ان کی معلومات کی بے پناہ وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی "الکتاب الکبیر" جو فن اسماء الرجال میں ہے۔ اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ ہم نے اگر چہ بطور خود اس کا مطالعہ نہیں کیا مگر فن کی دوسری کتابوں میں اس کے بہت سے اقتباسات دیکھے ہیں جس سے

اس میدان میں امام صاحب کی معلومات کی بے پناہ وسعت کا پتہ چلتا ہے"

آخر میں ایک بار پھر یاد دلاتے ہیں کہ۔

"امام طحاوی کا دو روایتوں میں سے کسی ایک کو اصول جامعہ کی موافقت کی بنا پر ترجیح دینا اور دوسری کو ناموافقت کی بنا پر مرجوح قرار دینا قیاس کی روشنی میں روایات کو ترجیح دینا نہیں ہے بلکہ یہ شاذ ہونے کی بنا پر اس روایت کو چھوڑ دینا ہے جسکی کوئی نظیر شریعت میں موجود نہیں جسکا نام ہے قوی ترین دلیل کو اپنانا" (الأخذ بالأقوى)

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ:

"امام طحاوی رحمہ اللہ رجال سند پر گفتگو کرنے سے پہلو تہی کبھی نہیں کرتے، آپ کی کتابیں معانی الآثار اور مشکل الآثار اس کی ناطق شہادتیں ہیں"

امام طحاویؒ اپنے اس حکیمانہ اصول کو جس کی ابھی وضاحت کی گئی بصورتِ نظر پیش کرتے ہیں۔ جو معانی الآثار کا طرہ امتیاز ہے۔ امام صاحب ہر باب میں پہلے روایت سے بحث کرتے ہیں پھر آخر میں "نظر" قائم فرماتے ہیں۔ اور اس میں اسی اصل جامع اور ہمہ گیر بنیاد سے استدلال کرتے ہیں، یہاں ہم امام طحاوی رحمہ اللہ کی سب سے پہلی نظر کی بطور مثال وضاحت کرتے ہیں۔

بلی کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟ امام صاحب نے پہلے نصوص کا مطالعہ کر کے معلوم کیا کہ پس خوردہ کا حکم وہی ہے جو گوشت کا ہے کیونکہ لعاب

گوشت سے پیدا ہوتا ہے یا گوشت سے لگتا ہے، مثلاً اونٹ، گائے، بکری اور بھینس کا گوشت پاک ہے اور وہ مأکول ہیں تو ان کا پس خوردہ بھی پاک ہے۔ اور خنزیر، کتے کا گوشت ناپاک ہے۔ اس لئے ان کا پس خوردہ بھی ناپاک ہے۔ اب رہا گدھوں اور درندوں کا معاملہ تو ان کا گوشت کھانے سے اگرچہ قرآن پاک میں منع نہیں کیا گیا، مگر احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لئے اس کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔ پس ان کا پس خوردہ بھی مکروہ ہوگا۔ اس "اصل جامع" کی روشنی میں امام صاحب نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث إنها ليست بنجس، إنها من الطوافين عليكم أو الطوافات کی سند پر جرح کر کے اس کو مرجوح قرار دیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث طهور الإناء إذا ولغ فيه الهر أن يغسل مرة أو مرتين کو راجح قرار دیا ہے۔

لیکن چونکہ امام صاحب تنقیح کردہ اصل جامع کو باب کے آخر میں قیاس کی صورت میں پیش کرتے ہیں اس لئے عام طور پر اس کو عقلی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ذہنی اپج نہیں ہے بلکہ اس باب کی بنیادی بات ہے جسے گہری نظر سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔



امام طحاویؒ کی دو خاص اصطلاحیں

(نسخ اور تواتر)

جب تک کوئی فن عبوری مراحل سے گزرتا رہتا ہے، اس کی اصطلاحوں کے مفاہیم منقح اور متعین نہیں ہوتے مثلاً ''مرسل'' کی اصطلاح، اب اس کا مفہوم متعین ہے، مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر میں صحابی کا ذکر نہ ہو، تابعی قال رسول اللہ کہہ کر حدیث بیان کرتا ہو اور باقی سند متصل ہو مگر متقدمین کے نزدیک یہ اصطلاح عام تھی، وہ منقطع اور معضل کو بھی مرسل کہتے تھے۔

اسی طرح چونکہ امام طحاویؒ کا زمانہ فنون کی تکمیل سے مقدم ہے اس لئے وہ دو ایسی اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں، جن کا مفہوم اب اور ہے اور پہلے اور تھا۔ اس لئے ذیل میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ا۔ **نسخ** لفظ نسخ کے لغت میں دو معنی ہیں۔

(۱) زائل کرنا، مٹانا اور باطل کرنا، محاورہ ہے نسخت الشمس الظل (دھوپ نے سایہ مٹادیا، زائل کر دیا) اسی طرح بیماری زائل کرنے والی دوائیاں نسخہ کہلاتی ہیں اور قرآن کریم میں ہے فینسخ اللہ مایلقی الشیطن (الحج ۵۲) پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو

نیست ونابود کردیتے ہیں۔

(۲) منتقل کرنا کہتے ہیں نسخت الکتاب (میں نے کتاب نقل کرلی) اور علم فرائض میں "مناسخہ" ایک وارث سے دوسرے وارث کی طرف میراث منتقل ہونے کا نام ہے۔

اصطلاح متقدمین میں نسخ کا مفہوم اس کے لغوی مفہوم سے قریب تھا وہ مطلق کے مقید کرنے کو، عام کے خاص کرنے کو، اور ظاہر کی تاویل کرنے کو بھی نسخ کہتے تھے بلکہ امام طحاویؒ کے نزدیک تو نسخ کا مفہوم اور زیادہ وسیع ہے علامہ محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"امام طحاویؒ نسخ کا لفظ اور زیادہ وسیع معنی میں استعمال کرتے ہیں، وہ دانست کے خلاف کسی بات کے ثابت ہونے پر بھی نسخ کا اطلاق کرتے ہیں (فیطلقه علی ثبوت أمر نعلم خلافه) اگرچہ دونوں باتیں محکم ہوں ان کی اس خاص اصطلاح سے واقف رہنا ضروری ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ اس سے بے خبر ہیں" (معارف السنن ص۲۹۱ج۱)

مولانا موصوف دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"نسخ کی تین قسمیں ہیں (۱) متقدمین کا نسخ (۲) وہ نسخ جسے امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی کتابوں میں استعمال کرتے ہیں یعنی سابق علم کے خلاف کسی بات کا ظاہر ہونا، اگرچہ دونوں حکم محکم ہوں، معانی الآثار میں اس کی کئی جگہ صراحت ہے امام صاحب نے اپنی اسی اصطلاح کے مطابق رفع یدین کو منسوخ کہا ہے (۳) متأخرین کا

نسخ (حوالہ بالا ص ۲۵۲ ج ۲)

متأخرین کی اصطلاح میں نسخ نام ہے: مقدم حکم کی مدتِ عمل کا مؤخر حکم کے ذریعے اس طرح تمام ہو جانا کہ پھر کبھی سابق حکم پر عمل جائز نہ ہو۔

۲- تواتر متأخرین کے نزدیک تواتر کے لئے چار یا پانچ شرطیں ہیں (۱) کثیر افراد اس کو روایت کرتے ہوں (۲) کثرت اس درجہ ہو کہ اتفاقاً یا کسی اسکیم کے تحت جھوٹ پر اتفاق عادۃً ناممکن ہو (۳) ابتداء سے انتہاء تک یہ کثرت باقی رہے کسی طبقہ میں بھی کم نہ ہونے پائے (۴) روایت کی انتہاء مشاہدے پر یا سماع پر ہو اور پانچویں شرط یہ لگاتے ہیں کہ وہ خبر سامع کے لئے مفید یقین ہو، یہ شرائط تواتر اسناد کے لئے ہیں۔ تواتر کی اس کے علاوہ تین قسمیں اور بھی ہیں، (۱) تواتر طبقہ (۲) تواتر عمل (۳) اور تواتر قدر مشترک مگر محدثین تواتر کا لفظ عام طور پر تواتر اسناد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن امام طحاوی علیہ الرحمہ تواتر اور متواتر کا لفظ تقریباً لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں یعنی لگاتار، مسلسل اور کثرت سے کسی حکم کا منقول ہونا گویا امام صاحب تواتر کا لفظ اس کی چاروں قسموں کے لئے استعمال فرماتے ہیں۔



طبقات فقہاء

اور

امام طحاویؒ کا مقام

معانی الآثار کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ فقہاء کرام کے طبقات ودرجات اور امام طحاویؒ کے مقام سے واقفیت حاصل کرے کیونکہ امام صاحب معانی الآثار میں امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے اقوال میں سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دیتے ہیں تو کیا امام طحاوی علیہ الرحمہ کا مقام ومرتبہ یہی ہے یا وہ اس سے بلند رتبہ ہیں؟ یہ بات طبقات فقہاء کے جاننے پر موقوف ہے۔

استعداد، قابلیت اور فقاہت کے اعتبار سے فقہاء کے سات طبقے مقرر کیے گئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا طبقہ مجتہدین مطلق کا ہے۔ جو خود اصول وضع کر کے ان کی مدد سے فروع مستنبط کرتے ہیں۔

دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے، جنھیں مجتہد منتسب بھی کہا جاتا ہے جو کسی امام کے وضع کردہ اصول کے ماتحت رہ کر ادلہ سے احکام مستنبط کرتے ہیں۔ یہ حضرات فروع میں اگرچہ اپنے امام سے اختلاف کرتے ہیں مگر اصول میں اس کے تابع رہتے ہیں۔

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے، جو اصول و فروع دونوں میں اپنے امام کے تابع رہتے ہیں اور غیر منصوص مسائل کے احکام اجتہاد سے بیان کرتے ہیں۔

چوتھا طبقہ اصحابِ تخرّیج کا ہے۔ جو اگرچہ اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے۔ مگر اصول وماٰخذ پر قابویافتہ ہونے کی وجہ سے ائمہ کرام سے منقول کسی مجمل و مبہم قول کی، جو ذو وَجہیں ہو تفصیل کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

پانچواں طبقہ اصحابِ ترجیح کا ہے جن کا کام فقط بعض رویات کو بعض پر ترجیح دینا ہے۔

چھٹا طبقہ اصحابِ تمیز کا ہے، جو اقویٰ، قوی اور ضعیف روایات کے درمیان، اور ظاہر روایت اور نادر روایت کے درمیان امتیاز کرسکتے ہیں۔

ساتواں طبقہ عام فقہاء کا ہے جو مذکورہ بالا صلاحیتوں میں سے کوئی صلاحیت نہیں رکھتے بس فقہ کا علم رکھتے ہیں۔

اب رہ جاتا ہے سوال کہ کون کس طبقہ میں داخل ہے؟ تو اس سلسلہ میں کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ تقریباناممکن ہے، کیونکہ کسی کے واقعی مرتبہ کا تو کسی کو علم نہیں، ہاں ان کی تصنیفات کو معیار بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ ہر فقیہ کے لئے اس کے معیار و مرتبہ کے مطابق تصنیف ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے اس کی سرے سے کوئی تصنیف نہ ہو یا حوادث کی نذر ہوگئی ہو یا اس کے رتبہ سے فروتر ہو۔ کیا حضرت مفتی

اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا رتبہ ان کی کتاب تعلیم الاسلام سے متعین کیا جا سکتا ہے؟ ــــ اس وجہ سے مرتب طبقات علامہ ابن کمال پاشا نے ہر طبقے کی جو مثالیں دی ہیں وہ ہمیشہ محل نظر رہی ہیں۔ انھوں نے طبقۂ اولی کی مثال ائمہ اربعہ اور ان کے درجے کے مجتہدین سے دی ہے۔

طبقۂ دوم: کی مثال امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ سے دی ہے۔

طبقۂ سوم: کی مثال خصاف، طحاوی، کرخی، حلوائی، سرخسی، بزدوی اور قاضی خاں سے دی ہے۔

طبقۂ چہارم: کی مثال جصاص رازی اور ان کے ہم رتبہ حضرات سے دی ہے۔

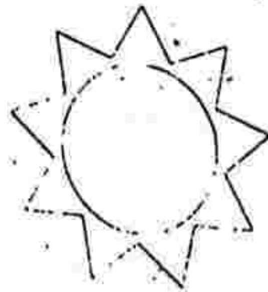
طبقۂ پنجم: کی مثال قدوری، صاحب ہدایہ اور ان کے ہم رتبہ حضرات سے دی ہے۔

طبقۂ ششم: کی مثال اصحاب متون (کنز، مختار، مجمع اور وقایہ) سے دی ہے۔

اور طبقۂ ہفتم: کی مثال مذکورہ فقہاء کے ماسوا دیگر فقہاء سے دی ہے۔

ان میں سے اکثر مثالوں میں مناقشہ کیا گیا ہے۔ مثلاً امام طحاوی کا رتبہ طبقۂ سوم بتلایا گیا ہے۔ مگر مولانا عبد الحی صاحب لکھنویؒ نے فوائد بہیہ کے حواشی میں آپ کو طبقۂ دوم میں شمار کیا ہے، اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ نے بستان المحدثین میں آپ کو طبقۂ اولی میں شمار کیا ہے۔

دراصل غلطی یہاں سے ہوئی ہے کہ امام طحاوی علیہ الرحمہ کا مقام ان کی کتاب معانی الآثار کی روشنی میں متعین کیا گیا ہے۔ امام صاحب اپنی اس کتاب میں ترجیح و تخریج اور استنباطِ فروع سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ اور آدمی اپنے مقام سے اونچا کارنامہ تو انجام نہیں دے سکتا مگر چھوٹا کام کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ فقیہ جو طبقۂ ثالثہ میں داخل ہے اپنے طبقہ کا کام بھی کر سکتا ہے اور نیچے کے طبقات چہارم، پنجم اور ششم کا کام بھی کر سکتا ہے اور یہ کام انجام دینے سے اس کا رتبہ کچھ گھٹ نہیں جائے گا۔ لہذا اگر امام صاحب نے معانی الآثار میں طبقۂ سوم چہارم اور پنجم کا کام کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا مقام بھی بس یہی طبقات ہوں، یہ تو ائمہ کرام کے ساتھ آپ کے غایتِ ادب واحترام کی دلیل ہے۔ ہمارے خیال میں امام صاحب کا صحیح مقام وہ ہے جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے یا پھر کم از کم وہ ہے جو مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے متعین فرمایا ہے۔



معانی الآثار کا مقام و مرتبہ

کتب حدیث میں

جس طرح فقہاء کے درجات و طبقات کئے گئے ہیں، اسی طرح کتب حدیث کے بھی درجات و طبقات کئے گئے ہیں۔ تاکہ جو کتاب جس درجہ کی ہو اس پر اتنا ہی اعتماد کیا جائے۔ اگر کتاب بلند درجہ کی ہے تو اس کی روایت سے کیا جانے والا استدلال بھی قوی ہوگا اور کتاب کم رتبہ کی ہے تو حسب درجہ استدلال کمزور ہوتا جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ کتب حدیث کے درجات قائم کرنے کے لئے معیار کیا ہو؟ تو اس میں اختلاف ہے ذیل میں اس کی ضروری تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

پہلا معیار کسی کتاب کا دوسری کتابوں کے لئے نقش اول، اصل اور ام ہونا، ابن حزمؒ وغیرہ نے موطا امام مالکؒ کو صحیحین پر اسی معیار سے ترجیح دی ہے، کیونکہ وہ کتبِ صحاح کا نقش اول ہے۔ والفضلُ للمبتدی، ولو أحسنَ المقتدی اسی طرح بخاری شریف کی مسلم شریف پر ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ امام بخاریؒ امام مسلمؒ کے استاذ ہیں اور صحیح بخاری کی تصنیف صحیح مسلم سے مقدم ہے

لیکن اس معیار کو قبول عام حاصل نہیں ہوا کیونکہ نقش اول کو

تقدم کا فضل تو ضرور حاصل ہوتا ہے مگر وہ "حرفِ آخر" نہیں ہوتا۔

دوسرا معیار کتاب کی جامعیت، افادیت اور حسن ترتیب ـــــ اندلس کے بعض علماء نے مسلم شریف کو بخاری شریف پر ترجیح اسی معیار سے دی ہے۔ کیونکہ مسلم شریف کی ترتیب بہت عمدہ ہے۔ اس میں حدیث تلاش کرنا نہایت آسان ہے، اور متابعات و شواہد بڑی تعداد میں ایک جگہ ذکر کیے گئے ہیں۔ اور بخاری شریف میں اول تو حدیث تلاش کرنا آسان نہیں، پھر اگر حدیث مل بھی جائے تو اس کے سارے طرق ایک جگہ مجتمع نہیں، بلکہ پوری کتاب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں: لَمْ يَضَعْ أحد مثله (حسن ترتیب میں امام مسلم جیسی کتاب کسی نے نہیں لکھی) لیکن علامہ سخاویؒ نے یہ فرما کر اس معیار کو رد کر دیا ہے کہ اس کا کتاب کے اصح ہونے سے کوئی تعلق نہیں وهو غير راجع إلى الأصحية (فتح المغيث ص ۱۰)

تیسرا معیار تجرد واختلاط ـــــ یعنی جس کتاب میں صرف نبی پاک ﷺ کے ارشادات جمع کیے گئے ہوں، اس کو ان کتابوں پر فوقیت حاصل ہو گی، جن میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار وفتاویٰ بھی شامل کیے گئے ہوں بعض لوگوں نے مسلم شریف کو بخاری شریف پر اس معیار سے بھی ترجیح دی ہے۔ کیونکہ بخاری شریف کی تعلیقات میں ضعیف احادیث، صحابہ و تابعین کے ارشادات اور خود امام بخاریؒ کے رکھے ہوئے تراجم ابواب بھی ہیں۔ لیکن مسلم شریف میں

صرف احادیث نبویہ ہیں۔ آثارِ صحابہ و تابعین کو شامل نہیں کیا گیا، نہ امام مسلم نے تراجم ابواب رکھے ہیں[1] ___ موطا امام مالک کو صحیحین سے مؤخر بھی اسی معیار سے کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مسند احادیث کے علاوہ بلاغات، صحابہ و تابعین کے ارشادات اور امام مالک کے اپنے اجتہادات بھی ہیں

لیکن علامہ ابن الصلاحؒ نے یہ فرما کر اس معیار کو رد کر دیا ہے کہ هذا لابأس به (مقدمہ ص ۸) یعنی اس میں آخر حرج کیا ہے کہ احادیثِ نبویہ کے علاوہ اور چیزیں بھی احادیث ہی کو سمجھانے کے لئے شاملِ کتاب کی جائیں؟ مثلاً امام ابوداؤد نے سفیان عن الزهری عن محمود بن الربیع کی سند سے حضرت عبادہ کی حدیث بیان فرمائی ہے کہ لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعدا (جس نے سورہ فاتحہ اور مزید (قرآن) نہ پڑھا اسکی نماز ہی نہیں) اس کے بعد حضرت سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ هذا لمن یصلی وحده (یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہے) یعنی مقتدی کے بارے میں یہ حدیث نہیں ہے، تو بتایئے اس قسم کی تشریحات شاملِ کتاب کرنے میں حرج کیا ہے؟

چوتھا معیار شرائط کی سختی اور اس کو آخر تک برتنا ___ بہت سے لوگوں نے بخاری شریف کو مسلم شریف پر اسی معیار سے

---

(۱) امام مسلم نے اگرچہ کتاب میں تراجم ابواب نہیں لکھے، مگر کتاب لکھتے وقت ان کے ذہن میں تھے، چنانچہ بعد میں امام نوویؒ نے لوگوں کی سہولت کے لئے حاشیہ پر ابواب لکھ دیئے ہیں مگر ان میں ان کی شافعیت صاف جھلکتی ہے اور عناوین کا معیار بھی بلند نہیں ہے لہذا یہ خدمت بھی ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔

ترجیح دی ہے۔ کیونکہ امام بخاری کی یہ شرط نہایت سخت ہے کہ وہ حدیث معنعن کو اپنی صحیح میں اس وقت جگہ دیتے ہیں جب راوی اور مروی عنہ میں لقاء (ملاقات) ثابت ہو جائے محض ہم عصر ہونا کافی نہیں سمجھتے کیونکہ اس میں تدلیس کا احتمال باقی رہتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کڑی شرط نے بخاری شریف کو مسلم شریف سے اونچا کر دیا ہے لیکن امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں اس پر بہت سخت نقد کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اتصال سند کے لئے معاصرت کافی ہے۔ لقاء کا ثبوت ضروری نہیں [1]۔ اور تدلیس کا احتمال اس لئے نہیں ہے کہ گفتگو غیر مدلس کی حدیث معنعن میں ہے اگرچہ خود امام مسلم نے لقاء کے احتمال والی گنجائش سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

ولا نحكم على مسلم بعمله في صحيحه بهذا المذهب، لكونه يجمع طرقا كثيرة يتعذر معهاوجود هذاالحكم الذي جوزه (فتح المغيث ص ١١)

ترجمہ: ہم امام مسلم کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں اس گنجائش سے فائدہ اٹھایا ہے کیونکہ وہ ایک ہی حدیث کے اس قدر طرق جمع کر دیتے ہیں کہ اس گنجائش سے فائدہ اٹھانے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

---

(۱) علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ نقل الإجماعَ في أول صحيحه على أن الإسناد المعنعن له حكم الاتصال إذا تعاصر المعنعِنُ والمعنعن عنه وإن لم يثبت اجتماعهما (فتح المغيث ص ١١)

لیکن یہ معیار بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ جس طرح شرائط کے ہلکے ہونے سے ضعیف بلکہ موضوع روایات تک کو کتاب میں گھسنے کی راہ مل جاتی ہے۔ اسی طرح شرائط کے ضرورت سے زیادہ سخت ہونے کی وجہ سے بہت سی صحیح احادیث سے کتاب تہی دامن رہ جاتی ہے مثلاً امام مسلم نے اپنی صحیح (ص ۱۷۴ ج۱، باب التشہد) میں جریر عن سلیمان التیمی عن قتادة عن یونس بن جُبیر عن حطان بن عبد الله الرّقاشی عن أبی موسیٰ کی سند سے حدیث نقل کی ہے کہ إذا قرأ فأنصتوا (جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو) اس پر امام صاحب کے ایک تلمیذ ابوبکر نے کہا کہ ''سلیمان تنہا ہیں!'' امام صاحب نے فرمایا کہ أترید أحفظ من سلیمان؟ (کیا تمہیں سلیمان سے زیادہ یادداشت والے آدمی کی تلاش ہے؟) یعنی سلیمان نہایت ثقہ اور بہترین یادداشت والے ہیں۔ پس اگر وہ تنہا اس حدیث کے راوی ہیں تو اس میں حرج کیا ہے؟ــــــ ابوبکر نے دوسری بات دریافت کی کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث إنما جعل الإمام لیؤتم به، فإذا قرأ فأنصتوا (امام اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پس جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ هو عندی صحیح (وہ میرے نزدیک صحیح ہے) شاگرد نے کہا کہ پھر آپ نے اس کو یہاں (صحیح مسلم میں) جگہ کیوں نہیں دی؟ امام صاحب نے اس کا جو جواب دیا وہی ہم آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

لیس کل شی عندی صحیح وضعته ھھنا إنما وضعت ھھنا ما أجمعوا علیه.

میرے نزدیک جو بھی حدیث صحیح ہے اسکو میں نے صحیح میں جگہ نہیں دی۔ بلکہ صرف ان احادیث کو کتاب میں لیا ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے۔

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اگرچہ امام مسلمؒ کے نزدیک صحیح ہے اور امام طحاویؒ نے خالد احمر کے طریق سے بہت عمدہ سند سے روایت کی ہے[1] مگر اس کے باوجود امام مسلم اس کو اپنی صحیح میں نہیں لا سکے کیونکہ یہ شرط کہ "حدیث کی صحت پر اتفاق ہو" نہایت سخت شرط ہے جس کی وجہ سے کتاب بہت سی صحیح احادیث سے خالی رہ گئی ـــــ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی احادیث کے علاوہ اتنی بلکہ دوگنی حدیثیں اور ہیں جو صحیح ہیں، مگر صحیحین میں جگہ نہیں پا سکی ہیں چنانچہ متعدد حضرات نے صحیحین پر استدراک لکھے ہیں اور ان روایات کو جمع کیا ہے۔

پانچواں معیار اسناد کی صحت اور رروات کی ثقاہت ـــــ جمہور نے اسی معیار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ بخاری شریف کے متکلم فیہ رواۃ سے مسلم شریف کے متکلم فیہ رواۃ دوگنے ہیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں جن راویوں سے روایت کرنے میں متفرد ہیں وہ کل ۴۳۵ ہیں جن میں سے ۸۰ متکلم فیہ ہیں اور امام مسلم اپنی صحیح میں جن راویوں سے روایت کرنے میں متفرد ہیں ان کی تعداد ۶۲۰ ہے جن میں سے ۱۶۰ متکلم فیہ ہیں ـــــ یہ معیار ایک

---

(۱) معانی الآثار ص ۱۲۸ ج ا باب القراءۃ خلف الامام۔

اجماعی معیار ہے، عام طور پر حدیث کی کتابوں کے مراتب کی تعیین کا مدار اسی معیار پر ہے اور یہ معیار صحیح بھی ہے لیکن اس سے کام صرف اس جگہ لیا جاسکتا ہے جہاں کتابوں کا موضوع متحد ہو۔ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن السکن اور مستدرک حاکم جن کا موضوع متحد ہے۔ یعنی صحیح احادیث کا مجموعہ مرتب کرنا۔ یہاں اس معیار سے ترجیح دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر موضوع مختلف ہو تو پھر اس معیار سے کام نہیں لیا جاسکتا مثلاً سنن کی کتابیں جن کا موضوع مستدلاتِ فقہاء جمع کرنا ہے، وہاں اس معیار سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ کیونکہ فقہاء کرام پہلے صحیح حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اسکی عدم موجودگی میں حسن سے اور باب میں قوی روایت نہ ہونے کی صورت میں ضعیف حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ پس سنن کی کتابوں میں ضعیف روایات کو بھی، اگر وہ کسی فقیہ کا مستدل ہیں، جگہ دینی پڑے گی۔ بلکہ مرسل روایات بھی لانی ہوں گی کیونکہ اکثر فقہاء ان سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام ابوداؤد نے کتاب المراسیل کو اپنی سنن کا تکملہ بنایا ہے۔ پھر اگر حدیث کی کسی کتاب کا موضوع اس سے بھی زیادہ عام ہو مثلاً معانی الآثار کا موضوع بحث وتمحیص اور نقد احادیث و مذاہب ہے تو وہاں یہ مشکل سوا ہو جائیگی۔ وہاں ضروری ہوگا کہ مخالف نظریہ رکھنے والے حضرات کے تمام مستدلات جیسے بھی ہوں، ان کو ذکر کیا جائے اور ان پر بحث کی جائے ـــــ سنن والے تو اگر کسی فقیہ کے مستدلات زیادہ ضعیف ہوئے تو انھیں چھوڑ بھی دیتے ہیں نیز وہ باب کی

تمام روایات کا استقصاء بھی نہیں کرتے۔ مگر معانی الآثار کا موضوع چونکہ صحاح اور سنن کے موضوعات سے عام ہے۔اس لئے امام طحاوی ایسا نہیں کر سکتے، اور ان کے لئے ضروری ہے کہ ہر نظریے کے متدلات ذکر کریں۔ پھر ان پر بحث کر کے کوئی نتیجہ بر آمد کریں، پس اگر صحیحین کے رجال سے سنن کے زیادہ رجال متکلم فیہ ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، حیرت توجب ہوتی کہ اس کے خلاف ہوتا۔ اسی طرح اگر صحیحین اور سنن کی کتابوں سے معانی الآثار کے رجال زیادہ متکلم فیہ ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں بلکہ ایسا نہ ہونا قابل حیرت ہے۔

معانی الآثار میں تو دیکھنے اور غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ مصنف مسئلہ باب کا جو فیصلہ دیتے ہیں اس کے متدلات کیسے ہیں؟ یعنی احناف کے متدلات کا کیا حال ہے؟ دوسروں کے متدلات کس درجہ کے ہیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے یہ دیکھنا تو ان حضرات کا کام ہے ہمارا کام نہیں ہے

ہم اگر پوری کتاب کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لینا شروع کر دیں تو بات دور جا پڑے گی۔ اس لئے فی الحال تو اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ آئندہ ان شاء اللہ کسی وقت یہ جائزہ بھی لے لیں گے۔ واللہ الموفق۔







شرحِ معانی الآثار
کی
شروح وحواشی

معانی الآثار ایک عرصہ تک امت کی نگاہِ التفات سے محروم رہی اگرچہ علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۸ھ) نے بہت پہلے اس کی تلخیص کرلی تھی مگر وہ ناپید ہے۔ سب سے پہلی شرح مَنْبِجی کی ہے۔ ذیل میں تمام شروح وحواشی اور تلخیص وتراجم کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) شرح مَنبِجی: از حافظ محمد منبجی (متوفی ۶۹۸ھ) غالباً آپ معانی الآثار کے سب سے پہلے شارح ہیں، آپ کی ایک کتاب "اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب" بھی ہے، علامہ کوثریؒ نے لکھا ہے کہ آپ کی شرح کا کچھ حصہ مکتبہ آیا صوفیا آستانہ میں موجود ہے۔

(۲) مبانی الأخبار فی شرح شرح معانی الآثار۔

(۳) نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخبار فی شرح شرح معانی الآثار: یہ دونوں شرحیں علامۂ یگانہ، فریدِ زمانہ محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود قاضی القضاۃ، بدر الدین عینیؒ کی ہیں جن کی ولادت رمضان ۷۶۲ھ میں اور وفات ذی الحجہ ۸۵۵ھ میں

ہوئی ہے۔۔۔۔۔ آپ نے کئی سال مدرسہ مؤیدیہ میں معانی الآثار کا درس دیا ہے۔ سلطان مؤید ایک عمر رسیدہ اور علمی ذوق رکھنے والا آدمی تھا۔ اس نے اپنے مدرسہ میں حدیث کی دوسری کتابوں کی طرح معانی الآثار کیلئے بھی ایک درسگاہ خاص کردی تھی۔ اور اس مسند کیلئے علامہ عینی کا انتخاب کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک طویل مدت تک یہ خدمت نہایت عمدگی سے انجام دی، اور اس زمانہ میں یہ دو شرحیں اور اس کے رجال پر "مغانی"، لکھی، جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔۔۔۔۔ پہلے علامہ نے "مبانی"، لکھی تھی، اس میں رجال پر گفتگو نہیں تھی بلکہ اس کے لئے علیحدہ "مغانی"، لکھی تھی، علامہ زاہد کوثری نے لکھا ہے کہ یہ شرح مصنف کے قلم سے لکھی ہوئی چھ جلدوں میں دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔ لیکن مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ صاحب امانی نے تحریر فرمایا ہے کہ انھوں نے حیدر آباد میں اس کی نویں جلد دیکھی ہے اور اس سے انھوں نے پوری کتاب کا اندازہ کیا ہے کہ چودہ یا پندرہ جلدیں ہوں گی غالباً یہ اختلاف جلدوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے ہوگا۔۔۔۔۔ پھر علامہ نے نخب میں مبانی کی تنقیح فرمائی ہے اور اس میں مغانی کا خلاصہ بھی شامل کرلیا ہے یعنی اس میں رجال پر بھی گفتگو فرمائی ہے۔ اس کی آٹھ جلدیں ہیں اور خود شارح کے قلم سے لکھی ہوئی دار الکتب المصریہ میں موجود ہے اور اس کی فوٹو کاپی صاحب امانی کی سعی سے مدرسہ مظاہر علوم کے مکتبہ میں آگئی ہے

علامہ عینی کی تحریر چونکہ ناصاف تھی۔ نیز اصل نسخہ دیمک خوردہ

بھی تھا۔ اس وجہ سے فوٹو پڑھنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ اس لئے اس کی نقلیں کرالی گئیں ہیں۔ ایک نقل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے کرائی ہے اور ایک مدرسہ کاشف العلوم حضرت نظام الدین نئی دہلی نمبر ۱۳ نے کرائی ہے، اگر کوئی بندۂ خدا ہمت کر کے اس شرح کو شائع کردے تو یہ امت پر بڑا احسان ہوگا اور معانی الآثار کی بڑی خدمت ہوگی۔ کیونکہ معانی الآثار کے سلسلہ میں علامہ کی یہ خدمت صحیح بخاری شریف کی خدمت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اللہ پاک انھیں اس عظیم الشان خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائیں۔

(۴) **أماني الأحبار في شرح معاني الآثار**: مبلغ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بن حضرت مولانا محمد الیاس بن مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی ثم دہلوی (ولادت جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ وفات ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ) کی بے نظیر شرح ہے جس میں مشکل الفاظ کا حل، رواۃ کی مکمل تحقیق، نظر طحاوی کا حل اور مسلک احناف کے دلائل سب ہی کچھ موجود ہے۔ مگر افسوس کہ شارح کی عمر نے وفا نہ کی اور کتاب ناقص رہ گئی۔ کتاب الصلوٰۃ کے ختم تک چار جلدوں میں طبع ہوگئی ہے۔ اس کے شروع میں اکتالیس صفحات کا بیش قیمت مقدمہ ہے۔ شارح نے خود مقدمہ (ص ۶۸) میں اپنی شرح کی بارہ خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں، کاش کوئی، اس کی تکمیل کی طرف توجہ کرتا، اور اس کا نہج برقرار رکھتے ہوئے اس کو مکمل کردیتا یعنی تکملہ میں سند پر گفتگو، احادیث کی تخریج، کتاب کا حل، استدلالاتِ احناف اور حدیث سے مستفاد ہونے والے فوائد و نکات

کو جلوہ گر کرنے کا اہتمام اصل کی طرح کیا جائے۔

(۵) **مجانی الآثار من شرح معانی الآثار:** یہ حضرت مولانا عاشق الٰہی بن صوفی محمد صدیق صاحب بلند شہری مقیم مدینہ منورہ کی تصنیف ہے۔ اس کی ایک جلد طبع ہو گئی ہے مگر ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی ہے۔

حواشی

شروح دو طرح کی ہوتی ہیں (۱) شرح ممزوج یعنی وہ شرح جو پورے متن کو حل کرے (۲) شرح بالقول یعنی جو پورا متن حل نہ کرے۔ بلکہ کہیں کہیں حسب ضرورت لکھے ــــــ اب تک پہلی قسم کی شروح کا تذکرہ تھا۔ اب دوسری قسم کی شروح کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔ ہماری اردو کی اصطلاح میں اس قسم کی شرح کو تعلیق یا حاشیہ کہا جاتا ہے۔

(۶) **حواشی مولوی وصی احمد سورتی:** یہ مولوی وصی احمد صاحب سورتی ثم کانپوری کے نہایت مختصر اور قلیل الفائدہ حواشی ہیں۔ مولانا موصوف کی ولادت سورت میں ہوئی ہے پھر بچپن ہی سے کانپور آگئے تھے، اکثر کتابیں مولوی لطف اللہ صاحب کوئلی سے پڑھی ہیں۔ پھر سہارنپور آکر حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری (محشی بخاری شریف) سے تمام کتب حدیث پڑھیں۔ پھر کانپور واپس چلے گئے۔ اور وہیں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ پھر پیلی بھیت (یو، پی) چلے گئے۔ اور وہیں کے ہو کر رہ گئے ــــــ نام نہاد اصحاب حدیث کے نہایت سخت مخالف تھے۔ ان کے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ مساجد سے ان کے اخراج کا فتویٰ

دیا تھا۔اور ایک رسالہ جامع الشواھد لإخراج غیر المقلدین من المساجد تالیف کیا ہے۔اور نسائی شریف اور معانی الآثار کے حواشی لکھے ہیں۔مؤرخ شہیر علامہ عبدالحی حسنی لکھنوی نے صحیح فرمایا ہے کہ تدل علی قلة بضاعته فی الحدیث ۔یعنی یہ حواشی فن حدیث میں ان کی کم سوادی کی دلیل ہیں (نزہۃ الخواطر ص ۵۱۷ ج ۸) معانی الآثار کے شروع میں جو مقدمہ ہے، جس میں امام طحاوی کے حالات ذکر کیے گئے ہیں وہ آپ ہی کا نوشتہ ہے۔

تلخیصات

(۷) تلخیص ابن عبدالبر

علامہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، قرطبی، نمری مالکی (۳۶۸-۴۶۳ھ) نے معانی الآثار کی تلخیص کی ہے۔آپ کی امام طحاوی سے عقیدت معانی الآثار ہی کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔آپ اپنی تمام کتابوں میں عموما اور التمہید لما فی الموطامن المعانی والاسانید میں خصوصا بڑی کثرت سے معانی الآثار سے نقل کرتے ہیں۔

(۸) تلخیص زیلعی

علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) صاحب نصب الرایة لتخریج أحادیث الھدایة نے بھی معانی الآثار کی تلخیص کی ہے۔جو مکتبہ رواق الاتراک ازہر میں محفوظ ہے اس کا ایک نسخہ مکتبہ کوپریلی آستانہ میں بھی ہے (حاوی)

⑨ تلخیص الطحاوی

یہ ایک نہایت مختصر تلخیص ہے، جو کلکتہ سے طبع ہونے والی معانی الآثار کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔ جلد اول کی تلخیص جناب مولانا محمد مسلم صاحب نے کی ہے جو کتابی صورت میں بھی شائع ہوئی ہے اور جلد ثانی کی تلخیص مولانا حسین علی صاحب نے کی ہے۔ جو کتاب کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے ـــــ یہ بے حد مختصر اور قلیل الفائدہ تلخیص ہے۔

تخریجات

جب کسی دوسرے مسلک کے آدمی کے سامنے معانی الآثار کی کوئی حدیث پیش کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ بخاری، مسلم اور صحاحِ ستہ کی احادیث پیش کرو۔ حالانکہ معانی الآثار میں اکثر وہی روایات ہیں جو بخاری، مسلم اور دیگر حفاظ حدیث کی کتبِ سنن و مسانید میں موجود ہیں اس لئے ضرورت ہوئی کہ معانی الآثار کی احادیث کی تخریج کی جائے۔ یعنی معانی الآثار کی روایات کو صحاح وغیرہ سے ثابت کیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ امانی الاحبار میں، جس کا تذکرہ شروح کے ضمن میں آچکا ہے، اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کتابیں خاص اسی مقصد سے تالیف ہوئی ہیں ان کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

⑩ الحاوی فی تخریج أحادیث معانی الآثار للطحاوی

یہ علامۂ یگانہ مؤرخ زمانہ ابو محمد عبد القادر بن محمد قرشی، (۶۹۶ھ

۵۷۷ھ) کی مایۂ ناز تالیف ہے، آپ علامۂ وقت حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ماردینی معروف بہ ابن الترکمانی صاحب الجوہر النقی فی الرد علی سنن البیہقی (۶۸۳ھ۔ ۷۵۰ھ) کے تلمیذ رشید ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب جواهر مضیئه کی "قسم الجامع" میں اس تلخیص کا تذکرہ کیا ہے کہ ایک امیر کبیر نے ابن الترکمانی سے یہ شکایت کی کہ اگر ہم معانی الآثار کی روایت دوسرے مسلک کے آدمی کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ صحیحین کی روایات کا مطالبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم تو اسی کی روایات کو تسلیم کریں گے۔ ماردینی نے فرمایا کہ معانی الآثار میں تو اکثر و بیشتر وہی روایات ہیں جو صحیحین وغیرہ میں ہیں۔ اس پر امیر نے درخواست کی کہ ایسی تمام احادیث کی تخریج کر دیجئے۔ اور طحاوی کی روایت کو مسلم و بخاری وغیرہ سے ثابت کر دیجئے۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے اتنی فرصت نہیں ہے البتہ میرے اصحاب میں ایک صاحب ہیں جو یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ ساتھ ہی امیر سے اپنے تلمیذ رشید علامہ قرشی کا تعارف مناسب انداز میں کرادیا۔ اس طرح یہ خدمت ان کو تفویض ہو گئی۔ امیر کا معاملہ آپ کے ساتھ نہایت شریفانہ رہا، اس نے آپ کے لئے بہت سی کتابوں کا انتظام بھی کر دیا۔ مثلاً امام ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن مزی (۶۵۴ھ ۔ ۷۴۲ھ) کی تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف اور تهذيب الكمال فی أسماء الرجال وغیرہ۔ چنانچہ آپ نے ۷۴۰ھ میں معانی الآثار کی یہ خدمت شروع کر دی، علامہ ماردینی نے بھی ایک نہایت کار آمد کتاب آپ کو یہ فرما کر عنایت فرمائی

کہ ''میری جانب سے تمہاری اعانت یہی ہے!'' اس کتاب میں امام طحاوی کے تمام شیوخ کے اسماء قلم بند تھے، جس سے ان کو واقعی بہت مدد ملی۔ علامہ کوثری تحریر فرماتے ہیں:

''حافظ قرشی نے ہنگام تخریج یہ اصول ملحوظ رکھا ہے کہ پہلے طحاوی کی اسانید پر گفتگو کرتے ہیں پھر ان کی احادیث واسانید کو صحاح ستہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر حفاظ حدیث کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح اس میدان میں ایک عظیم الشان خدمت انجام دی ہے!'' آپ کی اس تخریج کا کچھ حصہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

اردو ترجمہ

(۱۱) ترجمہ اردو شرح معانی الآثار

یہ حامل متن اردو ترجمہ چار جلدوں میں ۱۹۱۳ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔ جس کے ناشر شیخ الٰہی بخش لاہوری ہیں۔ مترجم کا نام قصداً چھپایا گیا ہے۔ اس لئے تلاش بسیار کے باوجود مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اور قاموس الکتب اردو (جلد اول حصہ مذہبیات جو انجمن ترقی اردو پاکستان نے بابائے اردو مولانا عبدالحق صاحب کی نگرانی میں مرتب کی ہے) میں اس کا مترجم شیخ الٰہی بخش کو بتلایا گیا ہے مگر یہ صریح تسامح ہے۔ شیخ صاحب نے ترجمہ کرا کر شائع کیا ہے۔ خود مترجم نہیں ہیں۔ جیسا کہ جلد اول کے ٹائیٹل کے صفحہ چار سے آشکارا ہے۔

مولانا سید محبوب صاحب رضویؒ نے رسالہ، دار العلوم دیوبند (جلد ۶ شمارہ ۲۵) میں "اردو میں تراجم حدیث" کے عنوان کے تحت اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے، اور مترجم کا نام مولوی احمد علی خطیب جامع مسجد لاہور بتلایا ہے۔ مگر خود مضمون نگار سے رجوع کرنے پر وہ اپنی بات کا کوئی حوالہ پیش نہیں فرما سکے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ مترجم کون صاحب ہیں، یہ ترجمہ کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں موجود ہے۔ میں نے تو اس کا مطالعہ نہیں کیا مگر استاذ محترم حضرت مفتی یحییٰ صاحب صدر مفتی مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سے میں نے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ "جب کبھی ضرورت پیش آئی، اور اس کو دیکھا، وہیں غائب پایا!"

متفرقات

﴿۱۲﴾ مغاني الأخيار من رجال معاني الآثار

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی (صاحب مبانی و نخب) کی رجالِ معانی الآثار پر بیش بہا تالیف ہے۔ علامہ کوثری لکھتے ہیں کہ اس کی دو جلدیں ہیں اور صاحب کشف الاستار نے مدینہ شریف میں تین ضخیم جلدوں میں نہ صرف اس کو دیکھا ہے بلکہ اس کی تلخیص بھی کی ہے۔ اس کا ناقص نسخہ دار الکتب المصریہ میں ہے اور کامل نسخہ مکتبہ رواق الاتراک ازہر میں ہے اب تک یہ کتاب چھپی نہیں ہے۔

﴿۱۳﴾ كشف الأستار عن رجال معاني الآثار

اس کا دوسرا نام "الحیاة لمافی الطحاوی من الرواة" بھی

ہے اس کے مصنف ابو تراب شاہ رشد اللہ سندھی ہیں جو "صاحب العلم الرابع" کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ کو علامہ قاسم کی "الایثار" کی تلاش تھی کہ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ میں مدینہ شریف کے کسی مکتبہ میں مغانی الاخیار مل گئی۔ آپ نے اس کی تلخیص کر لی مگر چونکہ وقت تنگ تھا اس لئے پوری کتاب کی تلخیص نہیں کی بلکہ صرف ان رواۃ کو چھانٹ لیا، جن کا ذکر تقریب اور تہذیب میں نہیں ہے۔ وطن واپسی کے بعد تقریب و تہذیب سے باقی رواۃ کا تذکرہ شامل کر لیا اس طرح کہ تقریب کی عبارت تو پوری لے لی۔ اور تہذیب کا خلاصہ لیا۔ اور کہیں کہیں دوسری کتابوں سے بھی جرح و تعدیل کا اضافہ کیا اور ۱۳۲۶ھ میں اسماء کا حصہ لکھ کر فارغ ہوئے (ص ۱۱۸) جب حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتی دار العلوم دیوبند کو اس کتاب کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کی نقل حاصل کی اور اپنے مکتبہ سے ۱۳۴۹ھ میں شائع کی مگر اب نایاب ہے۔

(۱۴) الإيثار برجال معاني الآثار

علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی (تلمیذ علامہ ابن ہمام و حافظ ابن حجر) کی معانی الآثار کے رجال پر تصنیف ہے۔ ابو تراب شاہ سندھی صاحب کشف الاستار کو اس کی تلاش تھی مگر دستیاب نہ ہو سکی الرسالۃ المستطرفۃ میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔

(۱۵) تراجم الأحبار من رجال معاني الآثار

حضرت مولانا حکیم سید محمد ایوب صاحب بن حکیم محمد یعقوب صاحب

مد ظلہ (ولادت غالباً ۱۳۱۸ھ) کی گراں بہا تالیف ہے۔ آپ نے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحب بذل المجہود کے ایماء اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ صاحب اوجز المسالک کی ترغیب پر ۱۳۴۱ھ میں معانی الآثار کے رجال کی تحقیق شروع کی اور ۱۳۷۱ھ میں تکمیل کی۔ اور یہ قیمتی کتاب مرتب فرمائی۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں تمام ہوئی ہے اس کی جلد اول و دوم طبع ہو گئی ہیں۔ خدا کرے باقی جلدیں بھی جلد شائع ہو جائیں (اب کامل شائع ہو گئی ہے)

اس میں ہر راوی کے حالات تقریب التہذیب سے لکھ کر تہذیب التہذیب سے اساتذہ اور تلامذہ لکھے گئے ہیں۔ پھر ائمہ نقد کے اقوال لکھے گئے ہیں۔ اور تہذیب کے علاوہ دوسری کتابوں میں یا معانی الآثار میں جو اساتذہ اور تلامذہ ملے ہیں، ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے استادوں اور شاگردوں کی تعداد تہذیب کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو گئی ہے علاوہ ازین معانی الآثار میں صاحب ترجمہ کی جس قدر روایات آئی ہیں ان کی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔

(۱۶) تصحیح الأغلاط الکتابیة، الواقعة فی النسخ الطحاویة

یہ بھی حکیم صاحب کی نہایت اہم تالیف ہے جو دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ معانی الآثار کے رجال کی تحقیق کے دوران جو اغلاط سامنے آئیں انکو مع تصحیح مرتب کیا ہے ۱۳۶۹ھ میں اس کا پہلا جزو شائع ہوا۔ جس میں معانی الآثار کی جلد اول کی اغلاط ہیں۔ اور ۱۳۹۳ھ میں اس کا دوسرا جزو شائع ہوا، جس میں جلد دوم کی تصحیفات مع تصحیحات ہیں۔

(۱۷) المرآۃ لمن فی معانی الآثار من الرواۃ

یہ بھی حضرت حکیم صاحب کا ایک نہایت قیمتی رسالہ ہے۔ اور غیر مطبوعہ ہے۔ میرے پاس اس کی نقل موجود ہے۔ دراصل یہ رسالہ ان کی کتاب تراجم الاحبار کا مقدمہ ہے مگر ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔

اس کے ایک باب میں نمونہ کے طور پر ان تمام ضعیف رواۃ کا ذکر ہے جن کی روایات صحاحِ ستہ میں آئی ہے۔ یہ تقریباً چار سو راوی ہیں ____ امام طحاوی کے وہ مشائخ جن سے آپ نے معانی الآثار میں روایت کی ہے ایک سو بارہ ہیں جن میں سے اکتالیس متکلم فیہ ہیں جن میں سے ۱۳ کا تذکرہ کتبِ رجال میں نہیں ملتا۔ ایک باب میں ان تمام اساتذہ کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ امام طحاوی نے ان سے فلاں فلاں روایتیں لی ہیں ایک اور باب میں معانی الآثار کے ان رواۃ کا تذکرہ ہے جن کے بارے میں ناقدین نے سکوت اختیار فرمایا ہے۔ ایسے سترہ راوی ہیں، ایک اور باب میں امام طحاوی کے ضعیف اساتذہ کا ذکر ہے۔ جو سات ہیں اور ہر راوی کے سلسلے میں یہ بتلانے کا التزام کیا گیا ہے کہ معانی الآثار میں اس کی کتنی روایتیں ہیں۔ صفحہ اور باب کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت حکیم صاحب نے ایک رسالہ امام طحاویؒ کی تاریخ پیدائش کی تحقیق میں بھی سپردِ قلم فرمایا ہے جس کا نام "الفتح السماوی فی تحقیق مولد الطحاوی" ہے جس میں آپ کی ولادت ۲۳۹ھ ثابت کی گئی ہے۔ ہم نے اس رسالہ سے استفادہ کیا ہے۔

(۱۸) کتاب تصحیح معانی الآثار

ابو الحسین محمد بن محمد باہلی مالکی نے "تصحیح معانی الآ ثار" لکھی ہے بروکلمان کی دریافت کے مطابق اس کا نسخہ بنکاک میں ہے۔ علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ میں اس سے واقف نہیں ہوں۔

(۱۹) المطرب المعرب الجامع لأسانید أهل المشرق والمغرب

شیخ عبد القادر بن خلیل مدنی خطیب مسجد نبوی معروف بہ "کدک زادہ" کی تصنیف ہے۔ آپ نے معانی الآ ثار کی ان اسانید کی تلخیص کی ہے جن کو سخاویؒ نے ذکر کیا ہے۔ کدک زادہ نے اپنے اساتذہ سے سخاویؒ تک پھر امام طحاوی تک تمام اسانید کو اس کتاب میں درج کیا ہے (مقدمہ امانی ص ۶۵)

(۲۰) اتحاف المهرة بأطراف العشرة

حافظ ابن حجر نے اپنی اس کتاب میں معانی الآ ثار کے اطراف کو بھی جمع کیا ہے۔ جس کا نسخہ صاحب امانی کی نظر سے حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں گزرا ہے (امانی ص ۶۵)

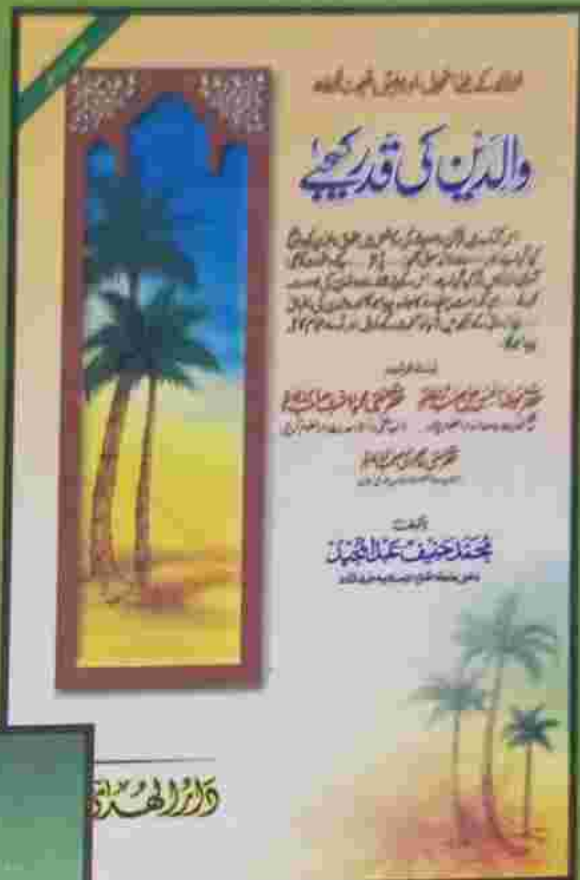
(۲۱) الحاوی علی مشکلات الطحاوی

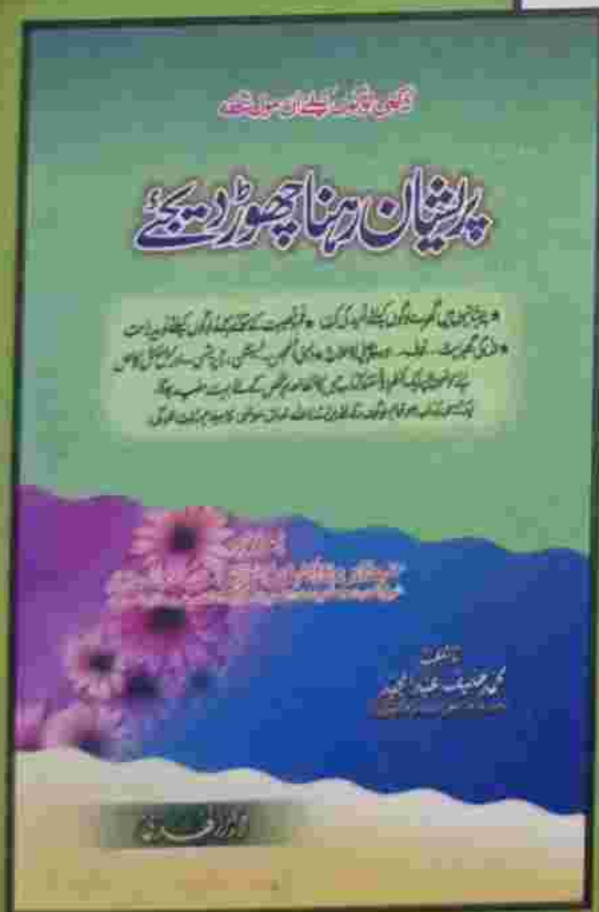
یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی مشترکہ کاوش کا حسین گلدستہ ہے اور پاکستان سے زیور طبع سے آراستہ ہوگیا ہے۔

(۲۲) معانی الآثار کے ایڈیشن

معانی الآثار سب سے پہلے ۱۳۰۰ھ میں قاضی بنیامین صاحب نے مطبع مصطفائی لکھنؤ میں محمد عبد الواحد خانصاحب کے زیر اہتمام طبع کرائی تھی۔ مولانا عبد الحی لکھنوی، مولانا عبد القادر بدایونی اور مولانا نذیر حسین دہلوی کے نسخوں سے مولانا وصی احمد سورتی اور مولانا عبد العلی مدراسی کی تصحیح ومقابلہ اور مولانا وصی احمد سورتی کے حواشی کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ کتاب میں تین چار جگہ مولانا محمد حسن سنبھلی کے حواشی بھی ہیں۔ اور آخر میں مولانا سنبھلی کا ترقیمہ بھی ہے یہ نسخہ تمام نسخوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ پھر دوسرا ایڈیشن شیخ الٰہی بخش صاحب نے لاہور سے شائع کیا تھا۔ پھر تیسری بار حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور حضرت مولانا عبد الغنی صاحب دہلوی اور سید اصغر علی صاحب دہلوی کی تصحیح سے کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی سے ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوئی۔ یہ ایڈیشن بھی اچھا ہے ـــــــ پھر کلکتہ سے اور آخر میں دیوبند سے طبع ہوئی ہے کلکتہ والی تو خیر، مگر دیوبند والی کا معیار اچھا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سابقہ تمام ایڈیشنوں کے صفحات برابر تھے جس کی وجہ سے حوالہ دینے میں بڑی سہولت ہوتی تھی۔ مگر اب دیوبند والے ایڈیشن کے صفحات بدل گئے ہیں، جس کی وجہ سے حوالہ ملانے میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔ ۱۳۸۶ھ میں مصر سے بھی طبع ہو گئی ہے، طباعت بہت اچھی ہے مگر وہ تمام اغلاط بحالہٖ ہیں۔ جو ہندوستانی مطبوعات میں ہیں۔

تمت





دار الهدیٰ